مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے افکار و نظریات کا ترجمان

الرّضا

پٹنہ انٹرنیشنل

AL-RAZA (International) Patna



عظیم الشان کامیابی و بین الاقوامی شہرت کا تیسرا مبارک سال

مارچ، اپریل ۲۰۱۸ء، جمادی الآخر، رجب المرجب ۱۴۳۹ھ



خصوصی شمارہ

شمع علم و دانش شیخ المشایخ
صوفی وقت
حضرت سید شاہ مولانا

محمد ایوب ابدالی

(نیر اسلام پوری)

۱۳۲۴ھ - ۱۳۸۷ھ

- شاہ ایوب ابدالی: احوال و آثار
- شاہ ایوب ابدالی: خلفاء اور تعلقات کا پس منظر
- تصوف: آہنگ تصوف اور نیر ابدالی کی شاعری
- شاعری میں تصوف کے عناصر
- شاعر تصوف شاہ ایوب ابدالی

₹50

چیف ایڈیٹر
ڈاکٹر امجد رضا امجد





مسلکِ اعلیٰ حضرت و جمہور علماء اہلسنت کے
افکار و نظریات کا ترجمان

دو ماہی

الرّضا

انٹرنیشنل پٹنہ

جلد نمبر ۳ — شمارہ نمبر ۱۴

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna

مارچ، اپریل ۲۰۱۸ء، جمادی الآخر، رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

بیادگار

امام اہلسنت سیدنا سرکار اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز

بطلِ روحانی

حجۃ الاسلام حضرت علامہ الشاہ
محمد حامد رضا خاں قدس سرہ العزیز

مفتی اعظم ہند حضرت علامہ الشاہ
محمد مصطفےٰ رضا نوری قدس سرہ العزیز

زیر سایۂ کرم

جانشین حضور مفتی اعظم ہند تاج الشریعہ قاضی القضاۃ فی الہند حضرت علامہ الشاہ **مفتی اختر رضا خاں قادری رضوی الازہری** مدظلہ العالی
بریلی شریف (اتر پردیش)

زیر عاطفت

محدث کبیر حضرت علامہ الحاج الشاہ
ضیاء المصطفیٰ قادری امجدی مدظلہ العالی جامعہ امجدیہ، گھوسی (اتر پردیش)

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

دو ماہی ''الرّضا'' انٹرنیشنل، پٹنہ

ہیرا کامپلیکس، قطب الدین لین، نزد دریاپور مسجد
سبزی باغ، پٹنہ 800004 رابطہ: 9973362000 / 8521889323
ای میل: alraza1437@gmail.com

Bimonthly AL-RAZA (International) Patna
C/o. AL-Qalam Foundation, Behind Shadi Mahal
Khajoorbanna, Sultaganj, Patna - 6 E-mail: alraza1437@gmail.com
Contact / Telegram / Whtsapp : 9835423434, A/c. No.
Md. Amjad Raza Khan, CBI A/c. 3503380262, IFSC Code cbin0283732
Jagan Nath Singh Lane, Chawdhritola, Patna

رابطہ: (مدیر اعلیٰ) 9835423434/amjadrazaamjad@gmail.com

پتہ: القلم فاؤنڈیشن نزد شادی محل، سلطان گنج پٹنہ ۶ (بہار)

گول دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کا زر سالانہ ختم ہو چکا ہے
برائے کرم اپنا زر سالانہ ارسال فرمائیں تاکہ رسالہ بروقت موصول ہو سکے۔

قیمت فی شمارہ: ۲۵/روپے، سالانہ ۱۵۰/روپے بیرون ممالک سالانہ ۲۰/امریکی ڈالر

پرنٹر پبلشر احمد رضا صابری ڈائریکٹر احمد پبلیکیشنز (پرائیویٹ لمیٹیڈ) نے سبزی باغ سے طبع کرکے دفتر دو ماہی الرضا انٹرنیشنل، پٹنہ سے شائع کیا۔

مشمولات

□□□

نعت شریف

ازنگارش: حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ

فائز عرشِ بریں ہو یارسول
کم ہے کتوں سے تمہارے مرتبہ

کعبہ روئے زمیں ہو یارسول
چمکے قسمت گر ہوں ان کی خاک پا

تم غریبوں کے معیں ہو یارسول
رحمت دنیا ودیں ہو یارسول

میری حالت کے قریں ہو یارسول
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول

رحمت دنیا ودیں ہو یارسول
ہاتھ بیعت کا تو ہے تم تک مرا

بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول
دو سہارا اس لیے خیر الوریٰ

ہوں فدا اے سبز گنبد کے مکیں
اور سعادت کی کرو دولت عطا

باپ ماں میرے مری جان حزیں
میرے پیروں کا گرامی واسطہ

تھر تھرا تا ہے دلِ اندوہ گیں
رحمت دنیا ودیں ہو یارسول

کون ہے اس کی دوا تم ہو، تمہیں
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول

رحمت دنیا ودیں ہو یارسول
حق کی رحمت تم تمہاری آل بھی

بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول
اور اصحاب اولیا پر دائمی

آہ عصیاں نے ڈبوئی آبرو
بخشوادو رب سے ہاں مجھ کو ابھی

پھول بھی طاعت کے ہیں بے رنگ وبو
بہر بو بکر وعمر عثماں وعلی

اے بشیر آیت لا تقنطوا
رحمت دنیا ودیں ہو یارسول

اک نظر کی ہے تمہیں سے آرزو
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول

رحمت دنیا ودیں ہو یارسول
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول

خیر اُمت حق نے گو مجھ کو کہا
وجہ ننگ وعار ہوں لیکن شہا



ایڈیٹر کے قلم سے

الرضا انٹرنیشنل کا تازہ شمارہ خانقاہ صوفیہ اسلام پور کی عظیم و باکمال شخصیت حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ پر خصوصی شمارہ کی حیثیت سے منظر عام پہ آرہا ہے۔ الرضا کا یہ خصوصی شمارہ دراصل اس تعلق کا پاکیزہ اظہار ہے جو مختلف واسطوں سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ تک منتہی ہوتا ہے۔ آج کے ٹوٹتے بکھرتے ماحول میں اس کی اہمیت اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اس دور میں ماضی کے پاکیزہ و تابندہ نقوش سے نور کشید کرنے کے بجائے کشیدگی پیدا کرنے والے عوامل زیادہ سرگرم عمل ہیں اور اس کے جو نتائج سامنے آرہے ہیں وہ اظہر من الشّمس ہیں۔ اپنی عظمت رفتہ کی طلب اور سطوت خوابیدہ کو بیدار کرنے کے لئے پندار نفس اور حصار انا سے باہر نکلنا ہوگا جو اسلاف کا شیوہ رہا ہے۔ آج بھی اگر ہم اپنے فکر و عمل کو اپنے اسلاف کے عقیدہ و مسلک، ان کے ضرب ہاؤ ہو اور ان کے مزاج و منہاج کا پابند کرلیں تو حالات ہمارے تابع فرمان ہوجائیں اور آپس کی کشیدگی پھر حلقہ بگوش اسلام ہوجائے۔

ہمارا مزاج اسی فکر کا پابند ہے اور کوشش بھی اسی نہج پہ ہوتی ہے یہ الگ بات کبھی کبھی ''ان کی گلی تک جب بھی پہنچا بلی رستہ کاٹ گئی'' کا سانحہ سامنے آجاتا ہے۔ الرضا، جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی طرف منسوب ہے، کا یہ خصوصی شمارہ بھی دراصل اسی فکر کی کڑی اور ایک محبت بھرا پیغام ہے تاکہ ''ہر ایک بات میں کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے'' کا زنار ٹوٹ جائے اور ''خاک میں مل کر گل گلزار ہونے'' کا مستقبل ساز عمل ہماری زندگی کا حصہ بن جائے۔

پیش نظر شمارہ ۶ رگوشوں پر مشتمل ہے۔ درمیان کا تین عنوان ہی اصل موضوع کا احاطہ کرتا ہے مگر متن کے ساتھ خطبہ اور بین السطور کی جو اہمیت ہے وہ اپنی جگہ مسلم ہے۔ تاثرات میں خاندان ابدالیہ کے فرد سید شاہ تاج الدین اشرف ابدالی کے علاوہ فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی، خطیب الہند حضرت ڈاکٹر حسن رضا خان کی شمولیت اہمیت کا حامل ہے۔ مفتی صاحب نے اس میں مسئلہ سماع کے حوالہ سے سرکار اعلیٰ حضرت کا جو اقتباس نقل فرمایا ہے وہ آج کے ماحول چشم کشا ہے۔

رسالہ کا دوسرا حصہ ''عرفان شخصیت'' کے عنوان سے جس میں ۹ رمضامین شامل ہیں۔ ڈاکٹر ولی اللہ ابدالی، ڈاکٹر سید شاہ شمیم گوہر، ذکی احمد ہاشمی ایوبی، ڈاکٹر سید شاہ مظفر الدین بلخی، ڈاکٹر یحیٰی ابدالی، ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ، مولانا تحسین ضیا فیضی، سید شاہ ریان ابوالعلائی، سید شاہ ابصار الدین بلخی فردوسی کے مضامین شامل ہیں یہ سارے مضامین قابل مطالعہ ہیں قارئین اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے اس سے محظوظ ہوں گے۔

دوسرا باب شاہ صاحب کے شعر و ادب کے حوالہ سے ہے۔ اس میں سید شاہ طیب ابدالی، پروفیسر ابوعبیدہ ابدالی، ڈاکٹر فرحانہ شاہین، مولانا محمد قمر الزماں رضوی مصباحی کے مضامین شامل ہیں۔ قارئین ان مضامین میں یکسانیت کے ساتھ رنگارنگی محسوس کریں گے کہ یکسانیت اس لئے کہ ''شاہ صاحب کا دیوان شائع نہیں ہونے کے سبب ایک ہی طرح کے اشعار بطور حوالہ سبھوں کے یہاں مندرج ہیں اور رنگارنگی اس لئے کہ ''ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است''۔ تیسرا باب ان کی کتابوں کے تبصرہ پر مشتمل ہے جس میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، مفتی غلام سرور قادری، ڈاکٹر امجد رضا امجد اور ڈاکٹر ممتاز احمد رضوی کے تبصرے شامل ہیں ساتھ ہی عزیزی عفان رضا خاں انگریزی میں لکھا ایک مختصر تعارف نامہ بھی شامل ہے قارئین اسے ملاحظہ فرما کر اس کے لئے دعا فرمائیں۔ ان تبصروں سے شاہ صاحب کے علم اور مزاج فن کا اندازہ ہوتا ہے یہ باب بھی قابل مطالعہ ہے۔ ان کے علاوہ مناقب اور تبرکات کی شمولیت اس رسالہ کی اہمیت کو دوچند کرتی ہے۔

یہ رسالہ ۷۰ رصفحات مکمل ہوا ہی تھا کہ پوری فائل کرپٹ ہوگئی جب کہ اشاعت کو محض چند گھنٹے بچے تھے، بزرگوں کے کرم پہ بھروسہ کر کے پھر از سر نو محنت کانا پڑی اور جو جس طرح جمع ہو سکا جو بن سکا پریس کے حوالہ کردیا ہے اس میں کسی طرح کی کوئی خامی و غلطی ہو پیش از وقت اس سے معذرت خواہ ہوں۔ اور طالب دعا ہوں کہ میری یہ کوشش بارآور ثابت ہو۔ مطالعہ کے بعد قارئین اگر اپنے تاثرات سے آگاہ کریں تو یقینا ہمیں مسرت ہوگی۔ میں عالی جناب محترم سید شاہ سیف الدین ابدالی رازی صاحب کا ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کام کے لئے بھرپور تعاون دیا اور اپنی محبت کا اسیر رکھا۔ جزاک اللہ خیر الجزا

محمد امجد رضا امجدؔ
چیف ایڈیٹر الرضا انٹرنیشنل پٹنہ

ابتدائیہ

سید شاہ شہاب الدین ابدالی فردوسی

(صاحب سجادہ، خانقاہ صوفیہ، اسلام پور، نالندہ، بہار)

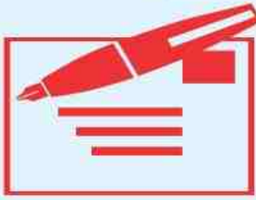
تیرھویں صدی ہجری میں ہندوستان کے صوبہ بہار کے ایک قصبہ اسلام پور میں عشق عرفان، علم وفضل اور تقوی وطہارت میں ڈوبا ہوا ایک خانوادہ جو تصوف سے وابستہ تمام علوم کو دنیا کے سامنے اس خوبصورتی کے ساتھ پیش کر رہا تھا کہ پڑھنے والے اور سننے والے اسکی طرف متوجہ ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ یہ گھرانا حسب ونسب کے اعتبار سے امیر کبیر حضرت سید علی ہمدانی اور حضرت علیم الدین دانشمند نیشاپوری کا سرمایا ہے جو حضرت ولایت علی ابو العلائی ہمدانی اور حضرت فرزند علی صوفی منیری کے واسطے سے خوب پروان چڑھا۔

اس گہوارے سے چودھویں صدی ہجری میں ایک ایسے انسان نے آنکھ کھولی، جو علمی ودینی اور روحانی واخلاقی فیوض برکات کا مکمل گنجینہ تھا۔ جسکے علم وتبلیغ کی روشنی اس وقت کے بڑے بڑے علما ومشایخ کی زندگی کی زینت بنی۔ اسی باکمال صلاحیتوں کا مالک اور عظیم الشان شخصیت کا نام سید شاہ ایوب ابدالی ہے۔ جو قران وحدیث، اصول وقواعد، سلوک وتصوف، فصاحت وبلاغت کی بنا پر برصغیر کی علمی ودینی، روحانی اور خانقاہی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔

اپ اپنے وقت کے جید عالم دین اور ولی کامل ہیں۔ آپ کے کشف وکرامات اور کمالات ظاہری وباطنی کے کئ قصصے مشہور ہیں جس سے آپ نے کئ لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ ان میں آپ کے کئ مریدین وخلفا شامل ہیں۔ آپکے خلفا کی ایک بڑی فہرست ہے جن میں حضرت شاہ مصطفےٰ علی سبز پوش (سجادہ نشین، خانقاہ رشیدیہ، جونپور)، ابو سہیل مفتی محمد انیس عالم قادری دربھنگوی ثم سیوانی (مفتی نیپال)، ملک العلما مولانا ظفر الدین بہاری رضوی اور مولانا عبد الروف افغانی (خالہ زاد بھنوئ، بادشاہ افغانستان) کا نام آپکے محترم خلفا میں آتا ہے۔ آپ نے کئ تصانیف تحریر کیں جن میں السلاسل والاسانید، احسان وتصوف اور ذکر وفکر کو اعلی درجے کی مقبولیت حاصل ہے۔

آپکا خاص مشغلہ علم وتصوف کی تبلیغ، رشد وہدایت اور خدمت خلق تھا۔ آپ بلا تفریق مذہب وملت لوگوں سے ملتے اور انکی پریشانیوں کو دور کرتے۔ آپکو فن شاعری سے بھی بہت رغبت تھی، آپکا دیوان مخطوطے کی شکل میں خانقاہ میں موجود ہے۔ آپ عبادت میں وضائف کو بہت زیادہ عزیز رکھتے تھے گویا نماز کے بعد گھنٹوں وضائف پڑھتے۔ تہجد کی نماز سے آپکو اس قدر عشق تھا کہ بستر مرگ پر بھی اسے قضا نہ ہونے دیا اور بعد نماز تہجد اپنے معبود حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپکی زندگی بحر ذخار کی مانند ہے جس سے فیض یاب ہونے والوں کی ایک کثیر تعداد ہے جو آج بھی ہجوم در ہجوم آپکے آستانے پر اپنی مراد کے لیے سرخمیدہ ہیں۔

اس اعلی گھرانے کا یہ ادنی ساغلام جو آپکی گدی کا سجادہ بھی ہے اپنے دل کی گہرائیوں سے الرضا انٹرنیشنل، القلم فاؤنڈیشن اور خوصوصا ڈاکٹر محمد امجد رضا امجد کا بہت مشکور وممنون ہے کہ انہوں نے حضرت کے اوپر یہ خاص شمارہ نکال کر ایک بہت بڑا کام انجام دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ اللہ انکے اس بہترین کارنامے کو قبول فرمائے اور انہیں اجر عظیم سے نوازے۔ آمین۔ میں ان تمام لوگوں کا بھی بہت شکر گزار ہوں جنھوں نے اس شمارے میں اپنی عقیدت بھری تحریروں سے تعاون کر کے اسے مکمل کرنے میں ہماری مدد کی، اللہ ان تمام لوگوں کو جزائے خیر دے۔ امین۔



قارئین کے تاثرات

سید شاہ تاج الدین اشرف ابدالی عرف نوشی

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی کے اوپر قلم اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص دیے کو روشنی دیکھانے کی کوشش کر رہا ہو۔ آپکے اوپر میرے لیے تاثرات لکھنا اتنا ہی مشکل کام ہے جتنا کہ جامی کی نعتیہ شاعری پر کوئی اہل قلم اسکی خوبیاں بیان کرنا شروع کرے۔ آپکی زندگی و تعلیمات لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے جس سے فیض یاب ہونے والوں کی ایک کثیر تعداد ہے۔

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی میرے حقیقی دادا ہی نہیں بلکہ میری زندگی اللہ کی رحمت اور آپکی دعاعوں کا ہی نتیجہ ہے۔ میری حیات انکی دعاعوں کے سرمائے کے سوا کچھ بھی نہیں اور آج میں جو کچھ بھی ہوں یہ انہی کی دعاؤں کا فیض ہے۔

میری پیدایش 17 رمضان المبارک 1386ھ بروز جمعہ ہوئی۔ آپ نے میرا نام سید نوشہ حسین اور تاریخی نام سید شاہ تاج الدین اشرف ابدالی رکھا۔ حالانکہ اپنے اس نام کے انتخاب کی ایک بڑی ہی خوبصورت اور بابرکت بات اپنے چند عزیزوں سے یوں بیان کی" جب میں حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کے وسیلے سے رات دن اپنے رب سے نوشی کی پیدایش کے لیے دعا مانگتا رہا اور آخر کار ایک دن میرے اللہ نے اس ادنی سے بندے کی دعا قبول فرمالی، تو پیدایش سے چند روز قبل میں نے خواب میں حضرت سید شاہ نوشا حسین توحید بلخی کو دیکھا تو اس سے بہتر کوئی اور اشارہ نہ سمجھ پایا"۔ اسکے بعد اپنے بڑے دھوم دھام سے میرا عقیقہ کیا اور مجھے خود اپنے ہاتھوں سے اپنی جوٹھی چائے پلا کر فیض یاب کر دیا۔ آپ مجھے اس قدر عزیز رکھتے تھے کہ اکثر لوگوں کو رشک ہوتا۔ اور آخر کار جب میری عمر صرف 9 ماہ کی تھی تب 3 رجب المرجب 1387 بروز یکشنبہ آپ اپنے رب سے جاملے اور میرے لیے یہ تحریر فرما گئے

ہیں سعادت کے نشاں اس میں بہت
باکرامت، رکھ سلامت باسلام

فقیہ النفس حضرت مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز مکرم مولانا امجد رضا صاحب! سلام و رحمت!!

یہ جان کر بے پناہ مسرت ہوئی کہ "الرضا" کا حالیہ شمارہ "سید شاہ ایوب ابدالی نیر اسلام پوری پر خصوصی شمارہ ہے ہیں، جو طباعت کے لیے انشاء اللہ کل پریس کے حوالے ہو رہا ہے۔ پہلے اطلاع ہو جاتی تو میں بھی کچھ لکھنے کی کوشش کرتا، اس لیے ابھی تو ہدیۂ تہنیت ہی پر اکتفا اور اس نیک اقدام پر مبارکباد ہی پیش کرتا ہوں، جس کے لیے میں برسوں سے آپ کی ذہن سازی کرتا رہا۔ خیر دیر آید درست آید۔ کوشش کیجے کہ ایک ایک کر کے پہلے کم سے کم بہار ہی کی خانقاہوں پر نمبرات نکالیں۔ پھر یہ سلسلہ آگے بڑھ کر پورے ملک کو دراز ہو جاے۔

مولانا! خانقاہوں کی مٹی بڑی زرخیز ہو رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سے شریعت و طریقت کے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوتے رہے ہیں۔ ماضی میں علما و مشائخ کے درمیان جو نیازمندانہ تعلقات نظر آتے ہیں اسے ملاحظہ کیجئے تو ان کی اہمیت کا اندازہ ہوگا۔ یاد کیجے اس وقت کو! جب پٹنہ کی دھرتی پر امام احمد رضا کو "مجدد" کے لقب سے ملقب کیا گیا تھا، بہار کی وہ کونسی قابل ذکر خانقاہ تھی جس کی کسی نہ کسی حیثیت سے تائید و نصرت نہ رہی ہو اور خود امام احمد رضا نے اپنے قصیدے میں اس کا خطبہ نہ

پڑھا ہو۔ وہ جانتے تھے کہ روٹی ہمیشہ دو ہاتھ سے پکتی ہے ۔ ہمارے آج کے لوگوں نے امام احمد رضا کا ایک ہی رخ سامنے رکھا ہے جو ایک عالم کا رخ ہے جس کے سامنے عام لوگ رہتے ہیں، امام احمد رضا کا دوسرا رخ جو صوفی کا رخ تھا، پس پشت ڈال لیا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ رخ ان لوگوں نے دیکھا ہی نہیں ہو، اس لیے اصول وفروع اور اتفاق واختلاف میں تمیز اور ان کے احکام میں فرق کیے بغیر ہر جگہ ایک ہی حکم جاری کردیتے ہیں۔ یہاں تفصیل کا موقع نہیں صرف ایک سماع کے مسئلہ میں معمولی سی جھلک دکھاتا ہوں ملاحظہ کیجیے:

> ''صوفیا کبھی بہ نظر مصلحتِ سلوک قول مرجوح پر عمل کرتے ہیں جیسے سماع کہ ہر چند مشہور مذہب امام اعظم وامام شافعی وامام مالک وامام سفیان ثوری علیہم الرحمۃ میں کراہت ہے، مگر ابو طالب مکی رحمہ اللہ نے بعض صحابہ سے اس کی اباحت نقل فرمائی اور امام غزالی علیہ الرحمۃ نے ان شرائط وآداب کے ساتھ کہ احیاء العلوم میں مذکور ہیں، جائز ٹھہرایا۔ شیخ عبدالرحمٰن نے خاص اس باب میں کتاب لکھی اور کہا: راگ دل کی بات زیادہ کرتا ہے''۔ پس فاسقوں کے حق میں گناہ اور عارفوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ نظیر اس کی فقہ میں بوسۂ منکوحہ ہے کہ جو صائم نفس کو روک سکے، اس کے حق میں جائز اور بدوں اس کے مکروہ ہے''

امام احمد رضا تو شریعت ومعرفت کے جامع تھے، ان کا تو یہ عالم تھا کہ: در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق۔ اللہ وہ دن لائے کہ ہم امام احمد رضا کے دونوں رخ میں ان کی پیروی کرنے لگیں۔ آمین! بہر حال اس پیش کش پہ مبارک باد۔

ڈاکٹر حسن رضا خان صاحب

عزیز گرامی ڈاکٹر امجد رضا امجد السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں خیریت سے ہوں خدا آپ کو اور آپ کے کاروان فکر وقلم کو سلامت رکھے۔ یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی کہ آپ اسلام پور ضلع نالندہ میں آباد خانقاہ صوفیہ کے سید شاہ ایوب ابدالی صاحب پر دو ماہی انٹرنیشنل الرضا پٹنہ کا خصوصی شمارہ نکال رہے ہیں۔ یہ نہایت قابل قدر اور لائق تحسین اقدام ہے۔ یہ خانقاہ علمی اور روحانی رہی ہے اس خانقاہ کے سجادگان کا تعلق ہر دور میں علم وادب اور تصوف سے رہا ہے۔ ان کی تالیفات وتصنیفات کا میں نے مطالعہ کیا ہے علم وادب اور تصوف میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس خانقاہ کا رشتہ امام احمد رضا قدس سرہٗ کے تلمیذ وخلیفہ حضور ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ سے بڑا گہرا رہا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ صاحب تذکرہ کے وصیت کے مطابق حضرت ملک العلماء نے ہی آپ کی نماز جنازہ پڑھائی تھی۔

محترم جناب ڈاکٹر طیب ابدالی صاحب سے خود میرے گہرے روابط تھے۔ تذکرہ مشائخ بہار ڈاکٹر صاحب کی بہت اہم تصنیف ہے۔ جس میں بہار کے صوفیاء کرام پر اچھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب میں بھی شرک وبدعت کے خلاف قلمی معارکہ آرائی کرنے والی شخصیات کا ذکر فرمایا ہے۔ ان میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو بھی شمار کرایا ہے۔ خانقاہ بریلی اور خانقاہ بہار میں جو فاصلے بڑھ گئے ہیں ان فاصلوں کو سمیٹنے کی یہ بڑی محمود کوشش ہے۔ خدا آپ کی محنت کو قبول فرمائے۔ اور حضرت شاہ صاحب کے فرزندگان اور ان کے جانشین کو سلامت با کرامت رکھے۔

سید شاہ محمد ایوب ابدالی: احوال و آثار

ڈاکٹر ولی اللہ ابدالی
صدر شعبہ اردو کے۔ کے۔ ام۔ کالج۔ پاکوڑ، جھارکھنڈ

حضرت والد علیہ الرحمہ پر قلم اٹھانا ہماری جرأت سے باہر ہے کہاں یہ ناچیز اور کہاں اتنی عظیم شخصیت، مگر پھر بھی ان کے چھوٹے صاحبزادے ہونے کی حیثیت سے یہ چند نقوش وتاثرات جوان کی صحبت مجالس اور لوگوں سے سنی ہے وہ تحریر کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

حضرت سید شاہ محمد ایوب ابدالی رحمۃ اللہ ایسے ذمہ دار باہوش علماء کرام و پیر طریقت کی فہرست میں ہیں جنہوں نے تزکیۂ قلوب اور بقلم کتاب وحکم سے انسانت کی اصلاح فرمائی حضرت والد علیہ الرحمہ کی محبت، مجلس وتقاریر سننے کا اکثر موقع ملتا رہا۔ آپ کا چہرہ وجیہ کشادہ پیشانی پر جیسے ہی نگاہ پڑتی دل کھل اُٹھتا اور ماحول زعفران کی خوشبو کی طرح مہکنے لگتا۔ آپ کا چہرہ انور تر وتازہ، ہر دم لبوں پر مسکراہٹ، ترنم گفتار، بولیں تو علمی جواہرات پروئیں، دراز قد وقامت، داڑھی مبارک میانہ ومتوسط، لباس شرعی زیب تن فرماتے۔ کرتا مبارک گھٹنہ سے نیچے شلوار ٹخنہ سے اوپر سر پر پلہ دار ٹوپی، جسے ترچھی کر کے پہنتے (یعنی ٹوپی کا ایک سرا دائیں جانب اور دوسرا بائیں جانب ہوتا) ہاتھ میں عصا مبارک اور کاندھے پر زعفرانی رنگ کا ریشمی رومال استعمال کرتے۔ نور سادات پیشانی سے ظاہر ہوتی، قد وقامت سے ایک باوقار اور مہذب شخصیت کی نشاندہی ہوتی۔ کبھی کسی مجلس یا محفل میں تشریف لے جاتے تو عالم دین جیسی امتیازی شان وشوکت صاف واضح ہوتی اور عالمانہ انداز میں گفتگو کرتے۔

اخلاق وعادات:

حضرت والد علیہ الرحمہ میں گونا گوں اوصاف حمیدہ موجود تھے۔ علم وحلم، تقویٰ وطہارت، ذکر وشغل، رواداری، حسن اخلاق، بے تکلفی وسادگی، بے نیازی خودداری وغیرت مندی، تواضع وانکساری خوش طبعی، وظرافت، بے نفسی، وسعت ظرفی جیسے کتنے اوصاف حمیدہ ہیں جوان میں پائی جاتی تھیں۔ سلام میں وہ پہل کرتے، بڑوں کا تو کہنا ہی نہیں، بچوں پر بھی نظر پڑتے ہی وہ سلام کرتے تھے۔ بچوں کی ایک ٹولی بنتی کہ ہم لوگ چھپ کر رہیں گے اور حضرت پر جیسے ہی نظر پڑے گی سلام میں سبقت لے جائیں گے مگر اس میں بھی بچوں کو مایوسی ہوتی کہ حضرت کی دور بین آنکھیں انہیں دیکھ لیتیں اور فوراً وہ سلام میں پہل کر دیتے۔

حسن اخلاق:

حضرت والد رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں سادگی تھی، تصنع وتکلف نہیں تھا۔ تواضع وانکساری تھی۔ اپنے بڑوں کا بہت احترام کرتے اور چھوٹوں سے بے انتہا شفقت ومحبت سے پیش آتے۔ ہر چھوٹے یا بڑے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ان سے خندہ پیشانی اور حسن اخلاق سے پیش آتے، جس کی وجہ سے سبھی لوگ آپ کے شیدائی تھے اور آپ کو قدر واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ کثیر تعداد میں لوگ اپنے مسائل لے کر آپ کے پاس آتے اور آپ اپنے نور بصیرت اسے ایسا تشفی بخش حل عطا کرتے کہ وہ سارے

کے سارے اطمینان قلبی کے ساتھ مسکراتے دل سے تشریف لے جاتے، کسی کی علالت کا سن لیتے تو فوراً اس کی عیادت کو جاتے اگر اس کے علاج کے لیے روپے کی تنگی ہوتی، تو خاموشی سے اس کے تکیہ کے نیچے کچھ رقم رکھ دیتے تاکہ وہ علاج کرا سکے۔

آپ نجیب الطرفین تھے آپ کے والد حضرت شاہ سید علی کامل اسلام پوری حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے امام محمد دیباج کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے نانا حضرت ولایت علی ہمدانی ابو العلائی خانقاہ اسلام پور کے سجادہ نشیں تھے جن کا نسب پدری حضرت سید علی ہمدانی مبلغ کشمیر تک منتہی ہوتا ہے اور نسب نامہ مادری حضرت مخدوم جہاں کے خلیفہ مخدوم نوشہ توحید بلخی تک پہنچتا ہے۔

تعلق مع اللہ:

حضرت والد علیہ الرحمہ کا قلب مجلیٰ ومزکی تھا۔ عشق الٰہی وعشق رسول سے قلب مبارک معمور تھا، دنیا کی محبت دل سے رخصت ہو کر موت وآخرت کی فکر ہر وقت رہا کرتی اور ان کی نظر میں دنیا اور دنیا کی عیش وعشرت کی کوئی حقیقت باقی نہ تھی۔ ہر وقت یاد الٰہی میں مشغول رہتے، تہجد کی نماز قضا نہیں ہوتی سنت ونوافل کا اہتمام کثرت سے کرتے، ہر نماز کے بعد گھنٹوں گھنٹوں وظیفہ پڑھا کرتے۔

رات کا کھانا عشاء کی نماز کے بعد کھانے کا معمول تھا چنانچہ والدہ مرحومہ اور بہنوں کو یہ تاکید تھی کہ رات کا کھانا چھت پر حجرہ کے طاق میں رکھ دیا جائے۔ میرا دل جس وقت چاہے گا کھالونگا آپ کے حکم کے مطابق ویسا ہی کیا جاتا تھا آپ رات کی تاریکی میں جب سارے گھر والے نیند کی آغوش میں ہوتے تو چپکے سے دبے قدموں سے وہ کھانا چھپا کر ایسے گھر میں لے جاتے جہاں اس دن گھر کے بچوں کو کھانا نصیب نہیں ہوا ہو۔ اس گھر میں دستک دیتے اور دروازہ کھلنے پر کہتے یہ کھانا بچوں کے لیے لایا ہوں، اٹھا کر کھلا دیں اور خالی برتن لا کر چھت کے اسی طاق میں رکھ دیتے یہ راز ان کے وصال کے بعد لوگوں نے افشا کیا۔

فکر امت مسلمہ:

حضرت والد علیہ الرحمہ کے یہاں بھی اصلاح امت کا بہت زیادہ رنگ تھا۔ امت کے خیر خواہ اور ہمدرد تھے۔ ان کو تڑپ تھی کہ تمام مسلمان اللہ کے نیک بندے بن جائیں۔ رسول اللہ کی سنتوں پر چلیں، اس لیے تبلیغ ونصیحت کا دائرہ وسیع تھا۔ اپنے مریدوں، متوسلین اور متعلقین کے درمیان تبلیغ ونصیحت کرتے رہتے۔ موت کی تیاری اور آخرت کی فکر پر زور دیتے جمعہ کے خطبات میں مشکل طور پر مسلمانوں کے ہر دینی مسائل پر روشنی ڈالتے۔ اتفاق واتحاد کی تلقین، روزہ نماز اور صدقات پر زور دیتے۔ لڑائی جھگڑوں سے اجتناب، غریبوں مسکینوں اور بیواؤں پر رحم اور امداد کی نصیحت فرماتے۔

صلاحیت وکمالات علمی:

آپ کا وعظ وحکمت کا گنجینہ ہوتا تھا۔ عجیب وغریب نکات وحقائق واسرار پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور اتنا عام فہم ہوتا کہ ہر شخص ان کے بیان کو سمجھ لیتا تھا، کثیر تعداد میں خلق خدا جوق در جوق وعظ وبیان سننے کے لیے تشریف لاتے آپ موقع کی مناسبت سے حق بات بلا خوف وجھجھک کہہ دیتے، اس کی بنا پر بہت سارے حلقوں میں حضرت کی حق گوئی کی ستائش ہوئی۔

ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کی۔ کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب کانپوری سے حدیث وفقہ کی تعلیم پائی۔ دینی تعلیم کے بعد روحانی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور سلسلہ فردوسیہ میں بیعت ہوئے۔ آپ کے پیر ومرشد نے ریاضت ومجاہدہ افکار واشغال میں اس طرح مشغول کیا کہ اسی کے ہو کر رہ گئے۔ الفقر فخری کے مجسم نمونہ ہو گئے۔ فقر کا لبادہ زیب تن کر کے صوفی باصفا بن گئے، گھر میں اکثر وبیشتر فاقہ بھی ہوا کرتا تھا۔

حضرت بہت ہی ذہین اور قومی اعصاب کے مالک تھے۔ ابتدائی تعلیم کے دوران اسلام چور کے ایک مدرسہ میں زیر تعلیم تھے۔ رمضان المبارک کا مہینہ آ گیا مدرسہ ایک ماہ کے لیے بند ہو رہا تھا۔ استاذ محترم نے بچوں کو بلا کر کہا کہ رمضان المبارک کے موقع پر مدرسہ ایک ماہ کے لیے بند ہو رہا ہے اب عید کے بعد مدرسہ کھلے گا اس درمیان آپ لوگ قرآن کا پارہ یاد کریں گے اور جو سب سے زیادہ یاد کر کے سنائے گا، اسے انعام واکرام سے نوازا جائیگا۔ یہ سننا تھا کہ تمام بچوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ہر کوئی انعام حاصل کرنے کے لیے پارہ یاد کرنے میں جٹ گیا والد علیہ الرحمہ پارہ یاد کرنے میں بہت کم وقت دے پارہے تھے ان کا زیادہ تر وقت والد کی خدمت اور گھر کے کام وکاج میں صرف ہو رہا تھا۔ اس کے برعکس ان کے دوستوں نے دن رات ایک کر کے پارہ یاد کرنا شروع کر دیا تھا۔ عید کے بعد مدرسہ کھلا اور تمام بچوں کو بلایا گیا، والد علیہ الرحمہ کی بھی تلاش ہوئی، وہ نظر نہیں آرہے تھے۔ ہمارے بڑے دادا حضرت عبد القادر علیہ الرحمہ ان کو تلاش کر کے بلوایا تاکہ دیکھیں کہ اور بچے کتنا کتنا پارہ سنا رہے ہیں، خیر، وہ دور شروع ہو گیا اوسبھوں نے باری باری کلام پاک سنانا شروع کیا کسی نے ایک کسی نے ڈیڑھ اور کسی نے دو پارہ سنایا۔ سب سے آخر میں والد صاحب کو بھی سنانے کو کہا گیا، جب حضرت نے سنانا شروع کیا ایک پارہ دو پارہ تین پارہ ساڑھے تین پارہ سارے لوگوں پر سکوت طاری تھا جب ساڑھے تین پارہ پر پہنچے، تو ان کے استاذ محترم نے والہانہ انداز میں ان کو کلیجے سے لگالیا اور زار وقطار رو کر معافی مانگنے لگے کہ میں نے آپ کے بارے میں غلط رائے قائم کر لی تھی، مجھے معاف کر دیں۔ انعام کی شکل میں ایک جیب گھڑی حضرت کو دی گئی جس کو بہت دنوں تک آپ نے تبرک بنا کر رکھا۔

آپ اکثر وبیشتر پورنیہ بہار، جایا کرتے تھے وہاں آپ کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی کافی تعداد تھی۔ اسی زمانے میں مولانا محمد اسرائیل ندوی جو کہ ندوہ سے فارغ ہو کر تشریف لائے تھے اپنے علم وفن پر بہت غرور تھا۔ آپ عربی اور فارسی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔ حضرت کے ایک مرید اور خلیفہ حکیم تجمل حسین خاں تھے آپ کا قیام زیادہ تر انہیں کے یہاں رہتا تھا اور تبلیغ وتعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حکیم صاحب نے کہہ رکھا تھا کہ ہمارے پیرومرشد کو بھی عربی فارسی اور اردو زبان پر عبور حاصل ہے۔ یہ بات مولانا اسرائیل صاحب تک پہنچ گئی وہ اس بات کو کہاں برداشت کرتے، چنانچہ انہوں نے ایک رقعہ حضرت کے نام لکھا جس میں اپنی تمام تر صلاحیتوں کا استعمال کر کے جواب طلب کیا۔ حضرت نے وہ رقعہ پڑھا اور مسکرا کر اسے رکھ دیا، کئی دن گذر گئے پر جواب نہیں آیا۔ مولانا صاحب نے حکیم تجمل خان سے کہا، دیکھا؟ تمہارے پیر صاحب نے ہمارے رقعہ کا جواب نہیں دیا کیونکہ وہ رقعہ ان کے سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک تقریب میں حضرت کی ملاقات مولانا صاحب سے ہو گئی، انہوں نے کہہ دیا کہ میں نے آپ کو جو رقعہ بھیجا تھا اس کا جواب آپ نے نہیں دیا حضرت نے فرمایا آپ نے جو رقعہ لکھا ہے وہ خوب ہے مگر ایک جگہ آپ سے غلطی ہو گئی ہے۔ اس پر مولانا صاحب بہت برہم ہوئے اور کہا آپ سے اس طرح کا جملہ کیسے ادا ہوا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے؟ حضرت نے کہا نہیں بھائی ہو سکتا ہے ہمارے ہی سمجھ میں بات نہیں آئی ہو، چھوڑیئے ان باتوں کو مگر جب مولانا بہت زیادہ خفا ہونے لگے تو آخر میں حضرت کو اس کی نشاندہی کرنی پڑی۔ ہمارے بھائی مصطفےٰ ابدالی مرحوم فرماتے ہیں کہ تین دن اور تین شب مبحث ومباحثہ کا سلسلہ چلتا رہا۔ مولانا اسرائیل صاحب ہر ہر موضوع پر سوال کرتے اور حضرت اس کا معقول جواب دیتے جاتے اور تمام احادیث کا حوالہ دے دے کر ان کو مطمئن کرتے رہے، بیچ بیچ میں طعام وغیرہ کا وقفہ ہوتا تھا اور پھر مناظرہ شروع ہو جاتا تھا، آخر کار مولانا اسرائیل صاحب نے یہ کہتے ہوئے زانوئے تلمذ قبول کیا کہ آج تک میں نے اتنا بڑا باصلاحیت عالم دین نہیں دیکھا تھا، آج میں ان کی شاگردی قبول

کرتا ہوں اور وہ مرید ہو گئے بعد میں حضرت کے خلیفہ ہوئے۔

حاجت برآری:

حضرت کے یہاں کثیر تعداد میں لوگ ضرورتیں لیکر آتے غربا و مسکین۔، بیواؤں یتیم اور نادار لوگوں کی امداد فرماتے۔

تعویذ گنڈے کے متمنی لوگ آپ کے پاس آتے، آپ ان کی خدمت میں دریغ نہ فرماتے اور فرماتے کرنے والی ذات اللہ کی ہے اسی کے فیصلے سے نظام بنتا اور بگڑتا ہے۔ آپ لوگ اللہ کو راضی کرنے والے اعمال سے لگ جائیں۔ نماز روزے کی پابندی کریں تو ان شاء اللہ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ آپ کو حکمت عملی پر عبور حاصل تھا۔ مہلک سے مہلک مرض کا علاج کرتے اور شفاء ہوتا، خاص طور سے کینسر۔ گردے میں پتھری گٹھیا جیسے مہلک مرض، آپ کے اچھوت دواؤں سے بالکل ٹھیک ہو جاتے تھے۔

عبرت:

حضر والد علیہ الرحمہ ایک معمولی سے معمولی چیز کے ذریعہ بھی لوگوں کو اصلاح و عبرت دیتے تھے۔ ایک دفعہ کی بات ہے کہ میں باہر سے بہت خوش خوش ایک چھوٹا سا چاقوں ہاتھ میں لیے گھر میں داخل ہوا۔ والد علیہ الرحمہ کی دور بین آنکھوں نے اسے دیکھ لیا اور پوچھا کہ ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے کہا یہ ایک چاقو ہے، جسے میں نے سڑک کے کنارے پایا ہے۔ اس پر وہ بہت برہم ہوئے اور کہا، یہ پایا کیا چیز ہے۔ یہ تو چوری ہوئی جس شخص کی چیز کھوگئی ہے وہ کتنا پریشان ہوگا، جاؤ فوراً اور جس جگہ سے تم نے اس چاقو کو اُٹھایا ہے اسی جگہ پر اسے رکھ دو، شاید وہ شخص تلاش کرتے وہاں تک آجائے اور اس کی کھوئی ہوئی چیز اسے مل جائے چنانچہ میں نے ویسا ہی کیا۔

اعتکاف:

حضرت والد علیہ الرحمہ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف پابندی سے اپنی خانقاہ کی مسجد اسلام پور میں کرتے تھے اس درمیان عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے اور لوگوں سے ملنے جلنے کا سلسلہ منقطع رہتا جب عید کا چاند دکھائی دیتا تو مسجد سے باہر تشریف لائے۔

فن سپہ گری:

حضرت والد علیہ الرحمہ کو فن سپہ گری میں کافی مہارت تھی انہوں نے یہ فن اپنے استاد حضرت عرفان اسلام پوری سے حاصل کی تھی۔ تلوار گیری میں اس قدر ماہر تھے کہ آپ کے استاد محترم بھی تعریف کرتے نہیں تھکتے تھے۔ بنوٹ اک فن آپ نے بندر کو اسی سے باندھ کر مشق کیا تھا۔ بندش میں بھی آپ کو مہارت تھی جس کا کوئی ثانی نہیں تھا ایک چھوٹے سے رومال سے تلوار، گڑاسہ، بھالا کے وار کو بندش کے ذریعے زیر کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ چالسواں کے موقع پر اسلام گڑھ میں نمائش کا اہتمام کیا جاتا تھا اس میں آپ سرپرست کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور انعام تقسیم کرنے میں آپ کی شخصیت جج کی ہوتی تھی آپ کے دست مبارک سے نمائش میں حصہ لینے والوں کو انعام دیا جاتا تھا۔

بندش کا نمونہ آپ کے ایک مرید ظفیر عالم آبگلہ یوں بیان کرتے ہیں

''حضرت ہمارے یہاں اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ آبگلہ میں فن سپہ گیری میں ماہر ایک استاد محمد حسن صاحب تھے جن کی شہرت عام تھی، وہ اپنے استادی کا سکہ جمائے ہوئے تھے اور محرم کے موقع پر لوگوں کو تلوار، بھالا، لاٹھی وغیرہ سکھاتے تھے مجھ سے ان کی سناشائی تھی۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ہمارے پیر و مرشد بھی فن سپہ گری میں کمال رکھتے ہیں۔ اب یہ بات ان کو کہاں ہضم ہونے والی تھی انہوں نے کہہ رکھا تھا کہ آپ کے پیر صاحب جب آئیں تو پھر سے ایک ہاتھ آزمائی کرادیں، تب میں کہوں نگا کہ وہ سپہ گری کا فن جانتے ہیں۔ بات آئی اور چلی گئی۔ اتفاق سے ایک مرتبہ پیر صاحب آبگلہ ہمارے حاطے میں بیٹھے تھے کہ اچانک وہ استاد صاحب جلوہ گر

ہو گئے ۔ پیر صاحب سے ان کی شناسائی ہوئی ، وہ استاد صاحب بار بار مجھ سے اصرار کرر ہے تھے کہ ایک ہاتھ اپنے پیر صاحب سے کرادیں اور میں اسے ٹال رہا تھا، یہ بات پیر صاحب کے کان تک چلی گئی انہوں نے کہا ظفیر کیا کھسر پھسر ہو رہا ہے وہ استاد صاحب آئے اور پیر صاحب سے کہنے لگے کہ ظفیر صاحب نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ آپ سے ایک ہاتھ لاٹھی کھلوائیں گے حضرت اپنی چھڑی لئے کرسی پر بیٹھے تھے، فرمایا آپ لاٹھی چلائیے ۔ استاد بار بار اصرار کرر ہے تھے کہ کھڑے ہوکر روبرو کھیلیں، مگر پیر صاحب کہہ رہے تھے کہ آپ چلائیے لاٹھی ۔ اس پر استاد کو غصہ آ گیا اور انہوں نے پینترا بدل کر ایک زبردست وار پیر صاحب پر کیا مارے خوف کے ہماری آنکھ بند ہوگئی کہ ہمارے پیر صاحب کا سر سلامت بھی ہے کہ پھٹ گیا۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو کیا دیکھتا ہوں کہ پیر صاحب اطمینان سے کرسی پر بیٹھے ہیں اور ان کی چھڑی استا صاحب کے گردن میں پھنسی ہوئی اور استاد صاحب تکلیف سے کراہ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ گردن ٹوٹی گردن ٹوٹی ۔ پیر صاحب کہہ رہے ہیں چلائیے اور چلائیے مگر وہ کراہ رہے تھے، اس لیے کہ ان کی لاٹھی اور پیر صاحب کی چھڑی دونوں انکے گرد میں پھانسی کی طرح پیوست تھی ۔ پیر صاحب نے انہیں بندش سے آزاد کیا تو ان کے جان میں جان آئی ۔ یہ دیکھ کر وہ قدموں پر گر گئے اور فرمایا کہ آج تک میرے مدمقابل کوئی ٹک نہیں پایا تھا اور آپ نے بیٹھے بیٹھے مجھے اس طرح شکست وی ۔ پھر وہ پیر صاحب کی شاگردی میں آئے اور بہت کچھ ان سے سیکھا۔ جب پیر صاحب آبگلہ آتے وہ کچھ نہ کچھ سیکھتے ،لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک نہیں چل سکا کیونکہ کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت کا وصال ہو گیا۔

آپ کو تیراکی کا بھی بہت شوق تھا اس میں اتنی مہارت تھی کہ خود تو خود، چار آدمی کو بھی ڈوبنے سے بچا سکتے تھے۔ اپنے بڑے صاحبزادے اور مجھلے صاحبزادے کو ہاتھ پر رکھ کر تیرنا سیکھایا تھا۔

فن موسیقی :

آپ فن موسیقی میں بھی ماہر تھے، بانسری اس طرح بجاتے تھے کہ سننے والا اس میں محو ہو جاتا تھا اور اس کی دھن پر جھومنے لگتا تھا۔ اکثر و بیشتر آپ کے استاد محترم بھی آپ سے بانسری کی دھن سننے کی فرمائش کرتے تھے اور خوب خوب داد وتحسین دیتے تھے۔

فن خطاطی :

آپ فن خطاطی میں کمال رکھتے تھے، آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ یوں تو آپ کے خاندان میں سارے لوگوں کو فن خطاطی میں مہارت تھی، لیکن سبھوں میں آپ کی امتیازی شان تھی۔ جب ہمارے عم محترم جناب محمد یحیٰ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ کی تقرری بحیثیت خطاط کے خدابخش لائبریری پٹنہ میں ہوئی، اس کمیشن (مقابلہ) میں لگ بھگ پورے ہندوستان سے آئے ہزار لوگ شریک تھے اور اس میں حضرت محمد یحیٰ ابدالی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سرفہرست تھا جب کہ عم محترم کا مقام خاندان میں فن خطاطی میں تیسرے نمبر پر تھا۔ پہلے نمبر پر حضرت والد علیہ الرحمہ دوسرے نمبر پر درخشاں ابدالی اور تیسرے نمبر پر یحیٰ ابدالی اس بات سے بھی فن خطاطی میں آپ کی شان مستحکم ہوتی ہے۔

آپ کو شعر و شاعری سے بھی کافی لگاؤ تھا۔ خوب شعر کہتے تھے ۔آپ کی شاعری زیادہ تر عشق میں ڈوبی ہوتی ۔ حضرت داغ دہلوی اور غالب کا رنگ آپ کی شاعری کی شان ہے۔آپ کا تخلص نیر تھا۔

حشر میں کون ہے بڑھتا دیکھوں
یہ گنہ میرے کہ رحمت تیری
ائے خدا ہم کو نہ رکھ اپنے کرم سے محروم
زندہ بس اک تیرے امید کرم پر ہم ہیں

کشف وکرامات :

حضرت والد علیہ الرحمہ کے کشف وکرامات بہت ہیں۔ ان

میں سے کچھ کو منظر عام پر لانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ حضرت جب اسلام پور میں رہتے تو ان کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد اپنے بنگلہ (جو ان کی درسگاہ تھی) میں تشریف لاتے وہاں حاجت منداور ذی علم لوگ منتظر رہتے کہ حضرت سے کچھ سننے کا موقع ملے گا، آپ ان لوگوں کے مسائل سنتے اور اس کا حل عطا کرتے اور واعظ ونصیحت کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ اسی درمیان گھر سے سادہ چائے آتی تھی اور حضرت خود سے سبھوں کو پیش کرتے تھے۔ ان دنوں چینی کی بہت قلت تھی دکان سے چینی لا پتہ ہو چکی تھی اور سارے لوگ چینی کے لیے پریشان تھے۔ جب کافی دیر ہوگئی اور گھر سے چائے نہیں آئی تو حضرت نے دریافت کیا کہ چائے آنے میں اتنی تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ ہم سے بڑے بھائی ابوعبیدہ ابدالی نے فرمایا کہ گھر میں چینی ختم ہوگئی اور دکان میں بھی چینی نہیں مل رہی ہے۔ آپ نے اپنا رومال مبارک اور کچھ روپیہ ہمارے بھائی صاحب کو دیا اور کہا کہ بازار جاؤ اور کیشوری حلوائی سے کہنا کہ پیر صاحب نے بھیجا ہے کچھ چینی کی ضرورت ہے ہمارے بھائی صاحب جیسے ہی کشوری حلوائی کی دکان پر پہنچے اور چینی کے بارے میں کہا وہ حضرت کا رومال دیکھ کر فوراً اندر گیا اور آدھا کیلو چینی چپکے سے لاکر حوالے کر دیا۔ جب ہمارے بھائی صاحب اس کی قیمت دینے لگے تو اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پیر صاحب سے دعا کے لیے کہنا وہی ہمارے لیے کافی ہے۔

عباس انصاری غازی پوری (غازی پور اسٹار کمبل ورکس عطر والے) کی زبانی یہ بات منظر عام پر آئی۔۔۔ "میں اور حضرت ایک شہر پہنچے۔ وہاں رائٹ کی وجہ کر کرفیو لگا تھا۔ سواری نہ ملنے کی وجہ سے ہم لوگ خراماں خراماں چل پڑے۔ میں نے حضرت سے کہا کہ ہم لوگ کس مصیبت میں پھنس گئے۔ حضرت میرے مشیت سے کچھ ظاہر ہونے والا ہے اسی درمیان پولس آئی اور دونوں کو گرفتار کر لیا۔ میں انکم ٹکس دیتا ہوں مجھے گرفتار کرنا غلط ہے۔ میرے چیخنے چلانے پر بھی کچھ حل نہیں نکلا۔ پولس نے کہا آپ لوگ تھانہ چلیں وہ ہم لوگوں کو تھانہ لے گیا تھانہ میں داروغہ نہ تھا انسپکٹر مسلمان تھا مگر وہ بھی گھر پر موجود نہ تھا۔ حضرت نے اس کے یہاں سے وضو کے لے پانی مانگا۔ انسپکٹر کی اہلیہ کو حیرت ہوئی کہ آج تک تھانہ میں کسی قیدی نے وضو کے لیے پانی نہ مانگا تھا۔ حضرت کے لیے پلاؤ گوشت وغیرہ بنا کر رکھا گیا جب انسپکٹر صاحب تو بصد آرزو ان کو گھر لے گئے اور مہمانی کی اور گھر کے سبھی افراد مرید ہو گئے"

حضرت کے ایک مرید فصیح برمکی تھے ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں اور حضرت کہیں جا رہے تھے راستے میں جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت نے کہا کہ پاس کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کر لی جائے چنانچہ روڈ کے کنارے ایک مسجد میں ہم دونوں نے نماز جمعہ ادا کی حضرت نماز کے بعد بھی کافی دیر تک وظیفہ پڑھتے تھے۔ میرے پاس صدقہ کی کچھ رقم تھی جس کا علم حضرت کو تھا حضرت نے کہا کہ نماز کے بعد آپ باہر ہی جو فقیر بیٹھا ہے اسے صدقہ کا روپیہ دے دیں۔ گے جب میں نماز سے فارغ ہو گیا تو فقیر کے پاس جا کر وہ موٹی رقم دینے لگا تو اس نے رقم لینے سے انکار کر دیا، جا تو کیا دیگا؟ کہہ کر اس نے روپیہ نہیں لیا۔ میں دل برداشتہ ہو کر مسجد کی سیڑھی پر بیٹھ گیا۔ حضرت جب وظیفہ پڑھ کر مسجد سے واپس آئے، تو میں نے وہ ساری باتیں حضرت کو بتائیں۔ حضرت نے دیکھا کہ وہ فقیر زرد اور برہنہ تین ضعیف وناتواں دست سوال دراز کئے کھڑا تھا۔ حضرت نے اس سے پوچھا تمہیں کیا چاہیے؟ اس نے برجستہ کہا مجھے لنگی چاہیے حضرت نے فوراً اپنے پاس سے لنگی نکال کر اسے دے دی وہ لنگی لیکر خوشی سے گلی میں چلا گیا ہم دونوں اس کے پیچھے چلے لیکن وہ نہ ملا۔ حضرت نے اس کو پانے کے لیے بڑی جدوجہد کی کہ اس کی زیارت سے مشرف ہوں حضرت نے لوگوں سے کہا وہ قطب الاقطاب تھے مگر مجھے اس سے زیادہ اس بات کا تجسس تھا کہ حضرت پائجامہ پہنے ہوئے تھے اور ان کا ہاتھ بھی خالی، تھا پھر لنگی کہاں سے نکال کر اس فقیر کو دے دی۔ میں اس راز کی تہہ تک جانا چاہتا تھا اور بار بار حضرت سے دریافت کر رہا تھا۔ میرے دماغ پر پردہ ڈالتے ہوئے انہوں نے فرمایا میں نے جلدی میں لنگی کے اوپر پائجامہ پہن رکھا تھا، وہی لنگی اس فقیر کو دے دی۔ میں سمجھ گیا یہ کچھ اور نہیں بلکہ کرامات ہیں"۔

حضرت والد علیہ الرحمہ کے کشف وکرامات سب عیاں ہو چکے تھے وہ بار بار عرض کرتے تھے جب کسی کو اس کا مقام دکھائی دینے لگے تو اسے یہ جہاں اچھا نہیں لگتا ہے ہماری بڑی ہمشیرہ زہرہ خاتون مرحومہ کی خوشدامن بی بی سلیم النساء مرحومہ جو کہ ان کی مریدہ تھیں اور وہ ان کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ وصال

کے ایک دن قبل ان کے یہاں تشریف لے گئے وہ عرض کرتی ہیں کہ۔۔۔ ’’حضرت اس دن کافی خوش اور ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ انہوں نے فرمایا صوفی کو جب اس کا مقام دکھائی دینے لگتا تو اسے ایک پل بھی جینا محال لگتا ہے۔ اس دن وہ زیادہ تر جنت کی بات کررہے تھے اور اسی پر روشنی ڈال رہے تھے۔ وہ سگار پی رہے تھے کہ اچانک دہکتا ہوا انگار بجھ گیا آپ نے فرمایا دیکھئے جنت کی ہوا آئی اور سگار کو بجھا گئی۔‘‘

سلیم النساء مرحومہ اکثر حضرت سے پوچھا کرتی تھیں کہ حضور پیر کے وصال کے بعد مریدان کو خواب میں دیکھ سکے گا اس سوال کے جواب میں وہ برجستہ کہتے، آپ خواب کی بات کرتی ہیں اگر عقیدہ پکا ہے تو روبرو دیکھے گا اور حضرت کے وصال کے بعد وہ اکثر و بیشتر چونک جاتیں اور برجستہ کہتیں، پیر میاں آپ اور پھر وہاں پر موجود لوگوں سے پوچھتی تم لوگوں نے پیر میاں کو دیکھا؟ وہ ادھر سے گذر گئے۔

اچانک حضرت کی طبیعت بہت خراب ہوگئی ڈاکٹر نے انہیں فوراً پٹنہ لے جانے کا مشورہ دیا۔ ہمارے برادرِ محترم حضرت طیب ابدالی رحمۃ اللہ علیہ جو ان دنوں کوآپریٹو کالج جمشید پور میں لکچرر کی حیثیت سے فائز تھے، اسلام پور آئے انہوں نے والد علیہ الرحمہ کی یہ حالت دیکھی تو انہیں علاج کے لیے پٹنہ لے جانے کی خواہش ظاہر کی والد گرامی نے فرمایا جو ہونا ہے وہ یہیں ہوگا۔ برادر محترم نے بہت اصرار کیا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ کو پٹنہ لے جاؤں تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے ہماری خواہش ہے تو پوری کرلو۔ اس زمانہ میں اسلام پور میں کسی کے پاس کار وغیرہ نہیں تھی، کرایہ کی ٹیکسی اسلام پور میں نہیں ملتی تھی چنانچہ بڑے بھیا نے ہمارے چوتھے نمبر کے بھائی محمد مصطفےٰ ابدالی مرحوم کو الکنگر سرائے سے کرایہ کی ٹیکسی لانے کو بھیجا وہ بذریعہ سائیکل ایلگر سرائے پہنچے اور ایک اچھی سی ٹیکسی دیکھ کر پٹنہ جانے کے لیے بیعانہ کرلیا اور اس کو لیکر اسلام پور آنے لگے ٹھیک صبح کے ۳بجکر ۲ منٹ پر وہ ٹیکسی چلتے چلتے اچانک رک گئی انتھک کوشش کرنے کے باوجود بھی ٹیکسی نہیں چلی آخر لاچار ہوکر ٹیکسی والے نے بیعانہ واپس کیا اور معذرت کرلی۔ اسی درمیان اسلام پور سے جبار نام کا ایک شخص سائیکل سے آیا اس نے اطلاع دی کہ اب ٹیکسی کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ کے والد علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا ہے۔ جیسے ہی یہ خبر ٹیکسی والے نے سنی اس نے ٹیکسی اسٹارٹ کی تو ٹیکسی فوراً اسٹارٹ ہوگئی اور وہ ٹیکسی لے کر آدھے راستے سے واپس چلا گیا، تو یہ حضرت کے وصال کے کرامات ظاہر ہوئے کیونکہ ٹھیک ۳بجکر ۲ منٹ پر حضرت کا انتقال ہوا تھا۔

جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ ہمارے بڑے بھیا کو آپریٹو کالج میں لکچرر کے عہدے پر فائز تھے وہ ایک مقررہ رقم ماہانہ کی شکل میں حضرت والد علیہ الرحمہ کو ہر ماہ ارسال کرتے تھے۔ والد علیہ الرحمہ نے وصال سے چند دن پہلے ان کو خط لکھا کہ تم ماہانہ روانہ کرو۔ بھائی صاحب نے سوچا کہ میں دو چار دن میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہونے والا ہوں تو خود جا کر دے دونگا۔ وہ وصال کے ایک دن قبل اسلام پور تشریف لائے، جب والد علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا اور تجہیز و تکفین کا سامان ہوا تو وہ رقم جو ان کا ماہانہ تھا اس سے نہ ایک روپیہ زیادہ اور نہ ایک روپیہ کم خرچ ہوا۔ اس پر تمام لوگوں کو حیرت ہوئی اس واقعہ سے بھی ان کے کرامات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

الغرض ایسے جامع الکمالات شخصیت کی کس کس خوبی و کرامات کو بیان کیا جائے ان کو قلم بند کرنے کے لیے تو پورا ایک دفتر چاہیے۔

حضرت کے رحلت فرمانے سے ان کے مریدین متوسلین و متعلقین کا پرنم ہونا فطری ہے مگر یہی صبر کا موقع ہے اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو ان کے بتائے ہوئے راہ پر چلنے کی ہدایت دے آمین۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
جو یاد نہ آئے بھول کے بھی اے ہم تصور وہ خواب ہیں ہم

□□□

حضور صوفی شاہ محمد ایوب ابدالی نیرؔ اسلام پوری

تصوف اور علم و ادب کے آئینے میں

ڈاکٹر سید شمیم احمد گوہر مصباحی سجادہ نشین خانقاہ، حلیمیہ، الہ آباد

تصوف کا دائرہ مفہوم بے حد وسیع وکشادہ اور صوفیانہ طرز عمل کی انفرادیت بے حد مجلیٰ ومنور اور بلیغ و عظیم ہے اس کے ظاہری احوال وکوائف سے اپنے اپنے طور سے متاثر ہونا یا عبرت حاصل کرنا تو قدرے آسان ہے کہ اسی معائینہ ومشاہدہ کی بنیاد پر لوگ حق شناسی اور فاقہ کشی، نفس کشی، گوشہ نشینی اور دنیا بیزاری کی تہوں تک پہونچا آسان نہیں۔ عہد رسالت مآب وَ سے لیکر تابعین تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تک تصوف وسلوک کی عظمتیں عالم ملکوت، عالم ناسوت اور عالم لاہوت ہر۔۔۔ گئیں۔ تجلی تصوف ہر دور میں چمکتی رہی ہر دور میں صوفیوں کے دم سے خدا کی کبریائی اور عشق ومعرفت کے چراغ جلتے رہے۔ تعلیمات اسلامیہ اور شریعت مطہرہ کی تبلیغ وارتقا کے لیے مثبت ومحکم راستوں کی کمی نہیں۔ تدریس وتصنیف تقریر ووعظ اور اولائی زروں کی فرائض دہی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے مگر صوفیوں کے معمولات حیات، طرز عمل روحانی مظاہرے اور فنافی اللہ کے مرتبے تک پہونچنا سب کے لیے کبھی آسان نہیں رہا، جذبہ اسلامی کی فلاح وبقا اور حوصلہ مومنانہ کی روشنی میں مسلم بادشاہ ملک فتح کرتے رہے تو صوفیائے کرام اپنی متصوفانہ برتری سے لوگوں کا دل جیتتے رہے ایمان ویقین کا جام پلاتے رہے۔ صوفیوں کے کردار وعمل اور معمولات روحانی علم وادب پر ہمیشہ حاوی رہے علم وادب کا دیوانہ بنانے اور تعلیم وتربیت کی جانب رغبت دلانے والے یہی صوفیائے کرام ہیں جو اپنی عبادت وریاضت اور اوروظائف چلہ کشی اور مراقبہ نوازی سے گمراہ لوگوں کو راہ راست پر لاتے رہتے ہیں۔ اسے نہ جانے کتنے بے شمار صوفیوں اور ولیوں کی تاریخ گواہ ہے جو اپنی روحانی نعمتوں کا خزانہ لیکر تنہا کفرستان میں قدم رکھا اور تھوڑی مدت کی رشد وہدایت اور دعوت وتبلیغ کے بعد سارے علاقوں کو اسلامیات کے سانچے میں ڈھال کر رکھ دیا یہی فریضہ شیخ اکبر حضور معین الدین خواجہ غریب نواز سنجری اجمیری رضی اللہ عنہ نے ہندوستان میں تشریف لاکر انجام دیا جہاں اسلام کی کوئی کرن محفوظ نہ تھی آج ہر طرف اسلام کا سورج چمک رہا ہے۔ تعلیم وتربیت ہر متصوفانہ کردار وعمل کا ہمیشہ غلبہ رہا۔ ہمارے عہد میں تصنیف وتالیف، تحریر وتقریر نشر واعت اور بڑی بڑی اونچی عمارتوں کی کوئی کمی نہیں۔ بیشتر مذہبی منصوبے تعمیراتی وح۔۔۔ کے گرد گھومتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کی جگہ پروری وہوس براجما ہوگئے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمگیر سطح پر تبلیغ ودعوت کے وسائل ہونے کے باوجود عشق ومحبت اور جذبہ صادق کی وہ روشنی نظر نہیں آ پا رہی ہے جو گوشہ شہانیمیں بیٹھے رہنا والا خدا کا ایک صوفی عطا کر دیتا ہے۔

لیکن مذہبی جماعتوں نے خدماتی کارکردگی اور طرفدارانہ عمل کو اتنے خانوں میں تقسیم کر دیا بقیہ صفحہ۔۔۔ پر

شاہ ایوب ابدالی اور اخلاقی مسائل

ذکی احمد ہاشمی ایوبی

موجودہ زمانہ، امت مسلمہ کے لیے ذہنی انتشار اور فکری افرا تفری کا زمانہ ہے۔ مختلف الخیال لوگ اپنے اپنے نظریات کی حمایت میں طرح طرح کے دلائل پیش کر رہے ہیں اور عامۃ المسلمین عجیب مخمصے میں گرفتار ہیں۔ شیعہ سنی اختلاف تو خیر بڑا پرانا اختلاف ہے، شاید ہی کبھی ختم ہو، لوگ اس اختلاف کے ساتھ ہی زندگی بسر کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ لیکن اہل سنت و جماعت کے درمیان بھی اختلافات رونما ہو چکے ہیں۔ اہل فقہ اور اہل حدیث کا اختلاف پہلے سے چلا آ رہا ہے۔ صوفیائے کرام اور علمائے ظواہر کی تو کبھی بنی ہی نہیں اور اگر بنی تو عالم صوفی بن گیا۔

یہ سارے اختلافات کچھ کم نہ تھے کہ فی زمانہ ختم نبوت جیسے متفق علیہ عقیدہ میں اختلاف کیا گیا اور اس حد تک کہ ایک شخص اس کا انکار کر کے خود نبی بن بیٹھا اور لوگوں کی ایک بھیڑ اس شخص کے گرد اکٹھا ہوگئی۔ مراد مرزا غلام احمد قادیانی سے ہے اس شخص نے اپنی نبوت کا اعلان کر کے مستقل ایک امت کھڑی کر دی ہے اور اسے ''احمدیہ جماعت'' کا نام دیا ہے۔ اس کے ماننے والے اپنے کو ''احمدی'' کہتے ہیں، مسلمانوں جیسا نام رکھتے ہیں اور مسلمانوں جیسی طرز رہائش اختیار کئے رہتے ہیں۔ عامۃ المسلمین انہیں غلطی سے مسلمان سمجھتے ہیں اور کچھ تو ان کے فریب کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں اور مسلمان جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ باحیات ہیں اور زمانہ قرب قیامت میں دجال کا استیصال کرنے کے لیے تشریف لائیں گے۔، یہ غلط ہے۔ یہی نہیں، بلکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کا یہ عقیدہ بھی غلط ہے کہ حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ یہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح اور نبی مانتے ہیں حضرت مخدوم سید شاہ محمد ایوب ابدالی قدس سرہٗ نے بڑے ہی مختصر لیکن پر اثر اور مدلل انداز میں قادیانی خرافات کا رد کیا ہے اور حقیقت واضح کی ہے۔

''ترجمہ عقائد شرفی'' کے ایک حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے حضور رسول مقبول محمد مصطفےٰ ﷺ کے احوال وواقعات جو تمام عالم کے لیے نمونے ہیں (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) یعنی بے شک تم میں اللہ کے رسول (محمد ﷺ) بہترین نمونہ ہیں۔ نبوت کبریٰ کی دلیل ہے۔ پہلی کتابوں میں بھی آپ کے متعلق بشارت آتی رہی اور قرآن میں بھی ذکر ہے۔ تمام نبیوں سے آپ کی مدد کرنے کا وعدہ لیا گیا ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ

یعنی اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جب تمہیں کتاب وحکمت دوں پھر وہ رسول آئے جو تمہاری تصدیق کرے تو ان پر ایمان لانا اور بالضرور ان کی مدد کرنا مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ سے حضور اکرم ﷺ ہی مراد ہیں اور جگہ قرآن میں مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ کہا گیا ہے۔ نبیوں سے وعدہ لینے میں ان کی امت بھی شامل ہے۔ وہ رسول وَلَٰكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کے فرمان کے مطابق) ناسخ الادیان قیامت تک تمام (بنی نوع) انسان کے لیے آپ ہی ہیں ﷺ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ

السلام بھی چوتھے آسمان پر زندہ اُٹھائے گئے ہیں، خانہ کعبہ پر قیامت کے قریب میں اتریں گے اور ہمارے نبی ﷺ پر ایمان رکھیں گے اور انہیں کی شریعت کی پیروی فرمائیں گے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج تمہارا دین کامل کردیا) سے ارتقا کی انتہائی منزل کی طرف اشارہ ہے جو تمام نبیوں کے دینوں (شرائع) کا نچوڑ ہے اور اساس دین تو ایک ہی ہے۔ چنانچہ فرمان ہے 'لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ' (رسولوں کے درمیان میں فرق نہیں کرتا) ارتقاء سے یہ وسوسہ باطل نہ آنے پائے کہ جس طرح دوسرے مذاہب کے بعد مذہب اسلام ظاہر ہوا۔ اسی طرح تیرہ چودہ سو سال گزرنے کے بعد اب اور کوئی نیا مذہب دنیا میں آنا چاہیے۔ اگر اکمال دین کی بشارت اور دنیا کے خاتمے کا اعلان نہ کر دیا جاتا تو عالم پر ایک مدت غیر معلوم گزرنے پر حرکت ارتقائی کوئی نیا قانون پیدا کرتی مگر قیامت کے اعلان نے یہ امید منقطع کر دی ہے۔ اب کسی دوسرے قانون کا انتظار عبث ہے یہ آخری قانون ہے۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ قیامت قریب ہوگئی اور چاند پھٹ گیا۔ یعنی معجزہ شق القمر ظاہر ہوا۔''

دوسرا فتنہ اس دور میں انکار حدیث کا فتنہ ہے، پرویز چکڑالوی نام کے ایک شخص نے یہ فتنہ کھڑا کیا۔ اس کے خیال کے مطابق قرآن پاک کے ہوتے ہوئے تشریعی لحاظ سے حدیث کی کوئی ضرورت نہیں، اس کے گرد بھی کچھ لوگ ہو گئے۔ یہ منکرین حدیث اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا بھی پرزور رد فرمایا ہے۔ ''ترجمہ عقائد شرفی'' ہی کے ایک حاشیہ میں رقمطراز ہیں۔

> ''منکرین حدیث کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا منصب رسالت صرف تبلیغ قرآن پر ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس رسول کی حیثیت ایک امیر کے برابر ہوئی اور اسی لحاظ سے ہمیں آپ کی منزلت کرنی پڑی۔ یہ اس تواتر کے خلاف ہے جو مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ مسلم و کافر سب میں مشترک ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جو حیثیت آنحضرت ﷺ کی سمجھی گئی وہ امیر کی نہیں سول کی ہے۔

بلکہ رسولوں میں سب سے افضل رسول کی حیثیت ہے۔ اس لیے حدیث کا انکار اور رسول کی حیثیت کا انکار دو مسئلہ نہیں سمجھنا چاہیے۔ جو حدیث کی تشریعی حیثیت نہیں سمجھتا اس سے رسول کا لزوم ساقط ہو جاتا ہے۔ (یعنی جو حدیث کی تشریعی حیثیت نہیں مانتا وہ گویا کہ رسول کا شارع ہونا نہیں مانتا) العیاذ باللہ۔ حق تعالیٰ نے آیت **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** یعنی رسول ﷺ خواہشات نفس سے نہیں بولتے وہ وحی ہی ہوتی ہے جو حق سے وحی کی جاتی ہے۔ یہاں وما ینطق بالقرآن وغیرہ نہیں کہا بلکہ مفعول کو حذف کیا ہے جس کا مطلب ہی صرف آپ کی صفت نطق کی پاکی ظاہر کرنی منظور ہے۔ فتد براتبع ما اوحی الیک من ربک اس کی پیروی کیجئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی گئی۔ اس حدیث سے منکرین حدیث قرآن مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ مفسرین حدیث کو بھی ایک قسم کی وحی مانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ پر کتاب اللہ کے علاوہ اور بھی بہت قسم کی وحی اتری ہے حتی کہ بعض انبیاء پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی مگر وحی ہوئی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن اور حدیث کا دونام امتیوں کے طبقہ میں مانا گیا ہے۔ رسول کے حق میں دونوں بذریعہ وحی ہیں۔ اس لیے قرآن اور حدیث دونوں ما اوحی الیک من ربک میں داخل ہیں۔ اب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تدبر ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص نے ہمیشہ روزہ رکھنے کی نذر مانی، عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر آجائے تو کیا ان ایام میں روزہ رکھے۔ آپ نے فرمایا نہیں پھر قرآن کی یہ آیت پڑھی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یعنی بے شک تم میں رسول اللہ بہترین نمونہ ہیں۔ آنحضرت ﷺ بقرعید اور عید میں نہ خود روزہ رکھتے نہ (کسی اور کا) رکھنا پسند فرماتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر ایک شخص اپنے نفس پر کوئی چیز حرام کر لے تو کفارۂ یمین ادا کرنا ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کے بعد یہی آیت **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ**

پڑھی۔ عمر بن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ابن عمر رضی اللہ عنہم سے ایک شخص کے متعلق پوچھا، جس نے عمرہ کا طواف تو کر لیا مگر ابھی صفا اور مردہ کی سعی نہیں کی، کیا وہ اپنی بیوی سے صحبت کر سکتا ہے۔ فرمایا نہیں کیونکہ جب آنحضرت ﷺ مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے تو بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا، مقام ابراہم کے پاس رکعتین طواف ادا کیں (مگر درمیان میں حلال نہیں ہوئے) اس کے بعد صفا مروہ کی سات مرتبہ سعی کی۔ پھر یہ آیت پڑھی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ حضرت نافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر نے عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے سال حج کا ارادہ کیا، لوگوں نے عرض کی ہمیں امسال جنگ کا خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کو حج سے روک دیں۔ آپ نے فرمایا کیا مضائقہ ہے اگر انہوں نے روکا تو میں وہی عمل کروں گا جو ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ نے کیا تھا اور یہی آیت بالا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ پڑھی۔ (روایات بخاری شریف) دوسری آیت کا تدبیر، قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت نے خادم رسول حضرت عبداللہ ابن مسعود سے کہا میں نے سنا ہے جو گودنا گودولی ہیں یا گودنے کا پیشہ کرتی ہیں آپ ان عورتوں پر لعنت کرتے ہیں، فرمایا ہاں جس پر خدا نے لعنت کی ہو اور خود قرآن میں بھی مذکور ہو، میں اس پر لعنت کیوں نہ کروں۔ اس نے کہا قرآن تو میں بھی پڑھتی ہوں مگر میں نے قرآن میں یہ کہیں نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا اگر تو قرآن سمجھ کر پڑھتی تو یقیناً دیکھ لیتی۔ کیا قرآن میں یہ نہیں ہے؟ ما اتاکم لالرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا۔ یعنی جو رسول دیں، لو، جس سے روکیں رکو، حضرت عبدالرحمٰن ابن یزدی نے ایک محرم کو سلے کپڑے پہنے دیکھ کر منع فرمایا تو اس نے کہا قرآن میں کہاں ہے دکھایئے؟ انہوں نے یہی آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا پڑھی۔

عن عمر ابن الخطاب رضی اللہ کان یقول اصحاب الرای اعداء السنن اعیتھم الاحادیث ان یحفظو ھا وتفلتب منھم ان یعوبھا واسحیو حین یسئلوا ان یقولو لا اعلم فعاضو السنن برائھم

فایاکم وایاھم حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متبعین عقل، حدیث شریف کے دشمن کے دشمن ہوا کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ مختلف سائلین کے جواب میں انکار کرتے ہیں تو انہیں شرم آتی ہے کہ کہیں نہیں جانتا ہوں حدیث یاد کرنے کی توفیق نہیں ملتی، اپنی رائے سے جواب دیتے ہیں حدیث کے مقابل پس تم ایسے لوگوں سے بچتے رہنا۔

عن عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال من احب ان یکرہ دینہ فلیعتزل مخالطۃ الشیطان ومجالسۃ اصحاب الاھواء فان مجالستھم الصیق من الجرب۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم میں جو اپنے دین کی قدر کرنا چاہے اسے شیطانی افعال اور اصحاب سے علیحدہ رہنا چاہیے، کیونکہ ان کے پاس بیٹھنے سے ان کی بیماری خارش سے زیادہ اثر کر سکتی ہے۔ حضرت ایوب فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک شخص ابن سیرین کے پاس گیا اور کہا اے ابوبکر (یہ ان کی کنیت ہے) میں قرآن کی ایک آیت تلاوت کرنا چاہتا ہوں، اسے پڑھ کر فوراً واپس چلا جاؤنگا۔ ابن سیرین نے دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال لیں اور فرمایا اگر تو مسلمان ہے تو میں تجھے خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں ابھی میرے گھر سے چلا جا اس نے کہا اے ابوبکر میں آیت پڑھنے کے سوا اور کوئی بات نہیں کروں گا۔ انہوں نے فرمایا جا بس تو چلا ہی جا۔ جب چلا گیا تو فرمایا واللہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میرا دل ایسا ہی مطمئن رہے گا جیسا کہ اب ہے تو اسے آیت پڑھنے کی اجازت دے دیتا، لیکن مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں وہ آیت پڑھ کر میرے دل میں کوئی ایسا شبہ نہ پیدا کر دے جسے بعد میں نکالنا چاہوں اور نہ نکال سکوں۔

احادیث رسول ﷺ کی حیثیت اور اہمیت کے متعلق ایک جگہ اور اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن سمجھانے کے لیے رسول ﷺ بھیجے گئے۔ ایسا نہ ہوا کہ عام ادیبوں پر قرآن اتار دیا گیا

جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا انزلنا الیك الکتاب لتبین لناس مانزل الیھم یعنی ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تا کہ لوگوں کو بتادیجئے جوان کے لیے اتارا گیا۔ بیان یعنی وضاحت اس کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی۔ چنانچہ آیت لا تقربو الصلوٰۃ وانتم سکریٰ (نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت ہو) سے تھوڑے نشہ کا حرام ہونا ثابت نہ تھا۔ حدیث ماسکر کثیرہ فقلیلہ حرام یعنی جو کثیر نشہ لائے اس کا قلیل بھی حرام ہے۔ حدیث رسول سے (نشہ آور شے کے) قلیل کا حرام ہونا ظاہر ہوا۔ ایسا ہی آیت وعلی الثلاثۃ الذین خلفو (یعنی وہ تین شخص جو جگن میں پیچھے رہ گئے) کا مطلب حدیث شرفی نے غزوہ تبوک اور حضرت کعب بن مالک وبلال اور مرارہ بن ربیع۔ اسی طرح آیت ولقد اتیناك سبعا من المثانی والقران العظیم (یعنی میں نے سات دوہری آیتیں آپ کو دیں اور قرآن عظیم) میں سات دوہری آیتوں کو حدیث شریف نے سورہ فاتحہ ظاہر کیا۔ یہی نہیں بلکہ قرآن میں فرض اور مباح کا حکم ایک ہی صیغہ سے ہے۔ جس طرح اقیمو الصلوٰۃ یعنی نماز قائم کرو میں حکم صیغہ امر سے ہے اسی طرح اذا حللتم فاصطادو (جب احرام کھول دو تو شکار کرو) میں بھی صیغہ امر سے حکم ہے مگر حدیث نے مباح ظاہر کیا اور نماز قائم کرنے کے حکم کو فرض حدیث شریف کے جامعیت بہ لحاظ اقامت اصول اور تشریح سب کی سب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے خدائے تعالیٰ کی مراد کے مطابق ہے حدیث رسول کی تصدیق آیت وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ہوتی ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب اللہ تعالیٰ کی وحی فرماتے ہیں، اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے۔

تیسرا فتنہ بلکہ بڑا فتنہ اس دور کا سرکار دوعالم سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہے۔ دراصل وفور علم قیل وقال کا نشہ انسان کو اتنا مدہوش کردیتا ہے کہ اسے اونچا نیچا نظر ہی نہیں آتا۔ ایک میں ہی ہوں جو سب کچھ جانتا اور سمجھتا ہوں، بقیہ دوسرے تو محض خردماغ ہیں۔ یہ شیطانی پٹی جب آنکھوں پر بندھ جائے تو کون بڑا ہے کون چھوٹا، کس کی عزت کرنی چاہیے اور کس پر شفقت، کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ بے ادبی ادب بن جاتی ہے اور بے لگامی نشان عقل وفہم، جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، ہی اس لائق نہیں ٹھہرتی، جس کی تعظیم کی جائے کہ اس سے عقل رسا میں شرک ثابت ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ورحمہم اللہ علیہم کا کیا ذکر۔ ان کے قول، فعل حد یہ ہے کہ ذات تک میں کیڑے نکالنے کی چھٹی ہے یہی تقاضائے ایمان واسلام ہے۔ اللہ بچائے اللہ بچائے۔

حضرت مخدوم نے اس انداز فکر پر دوٹوک کلام کیا ہے اور نہایت ہی سخت اور مدلل گرفت فرمائی ہے۔ اسی ترجمہ عقائد شرفی کا ایک حاشیہ ہے آیت باللہ وآیاتہ ورسلہ کنتم تستھزون ۔ لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ کے ماتحت یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیجئے کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے تم ٹھٹھا کرتے ہو (مذاق بھی) بہانے نہ بناؤ بے شک تم کافر ہوگئے ایمان کے بعد بھی (قرآن مجید) درمنثور جلد سوم میں اور تفسیر امام جریر میں اور امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں ایسے شخص کو کافر لکھا ہے اور اس کی عورت کو طلاق ہوگئی، جہاں احکامات اسلامی جاری ہوں تو قاضی اس کے قتل کا حکم کرے اور کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔

ایما منکم سب رسول اللہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر وبائت منہ امراتہ یعنی جو مسلمان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا جھوٹ کی نسبت کرے۔ یا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرے اور شان گھٹائے اس نے کفر کیا اور اس کی عورت نکاح سے نکل گئی کتاب الخراج شیخ بدرالدین عینی لکھتے ہیں ذکرا صحابنا ان من قال کان النبی ﷺ یحب القرح فقال الآخر لا احب لاقرح یخشی علیہ من الکفر یعنی ہمارے اصحاب نے بیان کیا ہے کہ اگر کوئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوکی پسند فرماتے تھے، اس کے مقابلے میں کوئی دوسرا کہے مجھے

لوکی پسند نہیں تو اس بے محل انکار پر کفر کا اندیشہ ہے۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ نے مومن کے امراض میں مبتلا ہونے اور اس پر صبر کے ثواب کا ذکر فرمایا۔ تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ وما الاسقام واللہ ما مرضت قط فقال فقم عنا فلست منا یعنی یا رسول اللہ بیماری کیا واللہ میں تو اب تک بیمار بھی نہیں ہوا۔ آپ نے فرمایا جا ہمارے پاس سے اُٹھ جا، تیرا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔

اس دور کے صاحبان علم کو حضور ﷺ کے علم غیب کے سلسلے میں بھی بڑی پریشانی ہے۔ ان کی پریشانی کے سایے کہیں متوسلین پر بھی نہ پڑیں، اس کے سدباب کے لیے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اختصار کے ساتھ اس مسئلہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ''معراج میں حضور ﷺ مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جسمانی اور بیت المقدس سے عرش تک روحانی جلوہ فرما گئے اور قاب قوسین سے بھی زیادہ قریب ہوئے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کی روایت سے لیکن اور فقہا اور محدثین علما اس پر متفق ہیں کہ جسمانی ہی معراج ہوئی۔ زیادہ احادیث صحیح اسی کو ثابت کرتے ہیں واللہ اعلم۔ آپ ﷺ نے قیامت تک کے احوال اور جنت اور دوزخ کا معائنہ کیا۔ معراج کے واقعہ کے بیان میں ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ میں نے جنت میں ایک محل دیکھا جس میں ایک نوجوان لڑکی دیکھی۔ میں نے پوچھا کہ یہ محل کس کا ہے۔ فرشتے نے کہا لعمر بن الخطاب، فاردت ان ادخلہ فانظر الیہ فذکرت غیرتک یعنی عمر ابن خطاب کی جنت ہے۔ تو میں نے ارادہ کیا کہ داخل ہوں اور دیکھوں مگر تمہاری غیرت یاد آگئی۔'' (حدیث صحیح)

اس روایت میں دو باتیں بتائی گئیں۔ ایک تو یہ کہ معراج میں حضور ﷺ نے قیامت تک کے احوال اور جنت اور دوزخ کا معائنہ کیا۔ اس خبر کے بعد آپ ﷺ کے علم غیب کے سلسلہ میں کسی پریشانی کا کیا سوال؟ دوسری بات یہ کہ جنت میں ایک محل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام سے نامزد ہے۔ تو حضرات شیعہ ان کے متعلق جو خیالات رکھتے ہیں اس کے فاسد ہونے میں کیا شبہ ہے؟

اہل فقہ اور اہلحدیث کا جھگڑا بڑا پرانا ہے۔ فریقین طرح طرح سے اپنی بات پیش کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم علیہ الرحمہ حنفی المسلک تھے۔ چند جملوں میں اس جھگڑے پر اپنی دوٹوک اور مدلل رائے اس طرح دی ہے۔ ملاحظہ ہو:

> حضرت ابراہیم علیہ السلام پر کئی صحیفے اترے۔ موسیٰ علیہ السلام پر توریت، داؤد علیہ السلام پر زبور اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔ کتابیں بغیر گھٹائے بڑھائے (تحریف وتبدیل) اور ادل بدل کے نہیں پائی جاتیں۔ البتہ قرآن مجید، جو چالیس برس کی عمر میں ہمارے (حضور) محمد ﷺ پر مکہ معظمہ میں تیرہ برس اور مدینہ منورہ میں میں دس برس نازل ہوتا رہا۔ جو کلام بطور خاص بذریعہ وحی نازل ہوا اسے قرآن کہتے ہیں۔ قرآن میں کمی بیشی نہ ہوئی نہ ہوگی یہ خود قرآن سے ثابت ہے۔ اس میں آیت تلاوت اور غیر تلاوت اور وقتی حکم اور ناسخ اور (ایک حکم سے پہلا حکم) منسوخ بھی شامل ہے۔ قرآن کے بعد حضرت ﷺ کے اقوال بطور حدیث قدسی اور دوسری احادیث بھی الہامی ہیں۔ آپ کے قول وفعل اور سکوت (السکوت فی معرض البیان بیان یعنی بیان کے درمیان سکوت بھی بیان ہے) کو حدیث کہتے ہیں بشرطیکہ اس کا ثبوت حجت اور سند سے پایا جائے۔ زمانہ رسالت میں ہر بات نبی ﷺ سے دیکھی اور سنی جاتی تھی۔ اس لیے التزام طاعت بلا استثناء لازم تھا۔ بعد میں سند کا سلسلہ بواسطہ ہوگیا اور جرح وتعدیل کے مباحث سے احادیث میں ضعیف اور قوی کی تقسیم پیدا ہوئی۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی حضور ﷺ کے حکم پر قرآنی دلیل نہیں چاہی کیونکہ تمام افعال واقوال اور احکام رسول ﷺ قانون قرآن ہی کے تحت ہیں۔ ما آتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا یعنی جو تمہیں رسول ﷺ دیں لو اور جس سے روکیں رکو۔ اور بھی اس قسم کی

آیتیں قرآن مجید میں ہیں اور صحابہ کے بعد تابعین اور مابعد کے علما کا اتفاق جس پر ہوگیا اسے اجماع کہتے ہیں۔اس کے علاوہ جن علماء نے قرآن وحدیث سے استنباط کیا (وہ بھی) بشرطیکہ غلطی نہ ہوسند ہے۔بعض لوگ اس استنباط کو جس میں قیاس اور اجتہاد سے تعلق ہو،نہیں مانتے،مجتہد بہت گزرے۔امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مقبول ہوئے۔ان کے پیرو حنفی ، مالکی، شافعی اور حنبلی کہے جاتے ہیں،مگران سب کو اہل سنت والجماعت کہا جاتا ہے۔علماء نے قرآن واحادیث واجماع واجتہاد سے عملی مسائل کا انتخاب کیا اور اس کا نام فقہ رکھا۔انہیں (یعنی ان علما کو) فقیہ کہتے ہیں۔اجتہاد بھی دین کا ایک اصول ہے۔اجتہاد کے موقع پر اجتہاد کرنا بھی دین ہی کی سمجھائی ہوئی بات ہے اور اسی کا قائم کردہ اصول ہے۔ اسے اختلاف نہیں کہتے۔اختلاف یہ ہے کہ اس کے کسی مقرر کردہ اصول یا کسی تشریح کیے ہوئے جزئی سے اختلاف کیا جائے۔لیکن جہاں اس نے سکوت کیا ہے اور یہ سکوت قصداً کیا گیا ہے وہاں پر مجتہد کو اس کی اجازت دے دی ہے کہ ماٰخذ دین سے حکم معلوم کرے۔

الغرض حضرت مخدوم نے موجودہ دور کے تمام اختلافی مسائل پر اپنی دوٹوک رائے مدلل انداز میں اختصار کے ساتھ دے دی ہے اور اپنے متوسلین کو صاف صاف یہ بتا دیا ہے کہ راہ راست کیا ہے۔لہٰذا فکری انتشار اور ذہنی افراتفری کا کیسا ہی طوفان ہو حضرت کے متوسلین کو کیا غلط ہے، کیا صحیح سب کچھ صاف دکھائی دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ عقائد شرفی کا اردو ترجمہ وا اور اس کے قیمتی حواشی اس دور میں حضرت کا بڑا کارنامہ ہے۔جس نے اسے سمجھ کر پڑھ لیا اسے عقائد کے باب میں بہکانا شیطان کے لیے مشکل امر ہے۔

☆☆☆

صفحہ ۳۷ کا بقایا۔۔۔۔۔۔

آخری عمر میں حضرت ہی سے نماز جنازہ کی وصیت ظاہر کی لہٰذا بعد رحلت آپ کے خویش جو خانقاہِ سجادیہ ابوالعلائیہ، داناپور شریف کے مرید اور معتقد خاص جناب محی الدین ابوالعلائی (لائبریرین: لاکالج، پٹنہ) سُہیل لاج پہونچے اور مولٰینا کی وصیت کا ذکر کرتے ہوئے دریافت کیا کہ حضرت کہاں ہیں؟ اگر اسلام پور میں ہوں تو آدمی بھیجا جائے یا دوسری جگہ ہوں تو ٹرنک کال کیا جائے ،اس پر لوگوں نے تسلی دی کہ آپ عظیم آباد (پٹنہ) کل رات ہی تشریف لائے ہیں اس طرح آپ کی وصیت کی تکمیل ہوئی۔

واضح ہو کہ ڈاکٹر سید شاہ محمد طیب ابدالی صاحب کے صاحبزادے سید ولی اللہ ابدالی نے تاج الاولیاء حضرت سید شاہ محمد اکبر ابوالعلائی داناپوری قدس سرہ کے ممتاز مرید وجید خلیفہ اور شاگردرشید حضرت سید نثار علی ابوالعلائی اکبرآبادی شخصیت اور شاعری کے عنوان سے ایک مکمل مقالہ لکھ کر پی ،ایچ ڈی کی سند حاصل کی ہے، ہمارے جدامجد ظفر ملت حضرت مولٰینا سید شاہ ظفر سجاد ابوالعلائی داناپوری متوفی 1394ھ (سابق سجادہ نشیں: خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ، محلہ شاہ ٹولی، داناپور شریف) سے حضرت شاہ ایوب ابدالی کے دیرینہ تعلقات رہے جسے ضبط تحریر لانا مشکل امر ہے، بارہا سیرت کے اجلاس میں دونوں کی شرکت یقینی ہوتی، خانقاہِ سجادیہ ابوالعلائیہ کے عرس کی محافل میں آپ پر وجدانی کیفیت کا اظہار خوب ہوتا۔دونوں شاہ صاحبان کے عشق ومستی کی کیفیت کا برملا اعتراف کرنے والے آج بھی کچھ صاحبان ذوق زندہ وجاوید ہیں، ملک بنگالہ کے اطراف واکناف میں دونوں شاہ صاحبان کے معتقدان بکثرت موجود تھے، ہم تو شروع سے آپ کی شخصیت کے معترف ٹھہرے بقول حضرت نیر اسلام پوری کہ:

دل تو اب ہم لگا چکے نیر
آگے اللہ کی مشیت ہے

☆☆☆

فہم دین اور حضرت سید شاہ ایوب ابدالی

ڈاکٹر سید شاہ مظفر الدین بلخی فردوسی: صاحب سجادہ خانقاہ بلخیہ پٹنہ

دین آسان ہے ان کے لیے جنہیں دین کی سمجھ اللہ نے عطا کی اور مشکل ہے ان کے لیے جو اس سمجھ سے محروم رہ گئے۔ یہ اللہ کا فضل خاص ہے جو بندے کی طلب، چاہت اور اخلاص نیت کے بغیر عطا نہیں ہوتا۔ اس لحاظ سے ایک عالم کے لیے بھی آسان ہے اور ہر کس و عام کے لیے بھی اور اگر مشکل ہے تو ایک عام آدمی کے لیے بھی اور ایک عالم کے لیے بھی۔ قرآن و حدیث نے جگہ جگہ دین کو یُسر یعنی آسانی سے تعبیر کیا ہے۔ آسانی میں کبھی مشکلات کے پہلو نہیں ہوتے۔ اس پر زور دینے اصرار کرنے اور مرجع بحث بنانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آسانی بہ نفس خود سہل، سادہ اور ممکن الحصول ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے قبول کرنے کی تاکید ہوسکتی ہے۔ لیکن قرآن و حدیث کے مزید مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس آسانی کی قبولیت ایسی نہیں، جو ہر کسی کا حصہ نصیب ہو۔ اس طرح دین آشنائی اور اسلام تک رسائی مشکل ہوجاتی ہے۔ قرآن نے متعدد مقامات پر واضح کردیا ہے کہ دین آسان ہونے کے باوجود ہر کسی کے لیے نہیں ہے، سوائے ان کے جن پر اللہ کی رحمت خاص ہو ارشاد الٰہی ہے کہ اللہ جس کے ساتھ ہدایت کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ دین اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ من یرد اللہ بہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام

اسی طرح کی بات صحیح بخاری کے کتاب العلم میں بھی کہی گئی ہے۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی گہری سمجھ عطا کردیتا ہے۔ اور حدیثوں کے مطابق دین کی قلیل سمجھ بھی آجائے تو یہ کثیر عبادت سے بہتر ہے۔ یہی وہ سمجھ ہے جس پر تمام اعمال واشغال کا مدار ہے۔ اس فہم اور سمجھ کے بغیر اعمال بھی مشکل اور دشوار ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں اعمال کو بھی مشکل اور دشوار گذار بتایا گیا ہے۔

فلا اقتحم العقبة وما ادرٰك ما العقبة. فك رقبة. او اطعٰم في يوم ذي مشغبه يتيماً ذا مقربه او مسكيناً ذا متربة مگر وہ دشوار گزار گھاٹی سے نہ گزرا، اور تم کیا جانو کہ وہ دشوار گزار گھاٹی کیا ہے، کسی گردن کو غلامی سے چھڑانا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشیں مسکین کو کھانا کھلا۔ نماز جو آنکھوں کی ٹھنڈک قرۃ العین ہے، وہ کسی پر دشوار گزرتی ہے۔

وانها لكبيرة الا على الخاشعين یہ نماز شاق گزرتی ہے سوائے اہل خشیت کے۔ یہ اختلافات کیفیات اسی دین کی سمجھ کا نتیجہ ہیں جن سے ایمان تو ایمان اعمال بھی مشکل ہوجاتے ہیں۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

دین یسر میں یہ مشکلات، ایک طالب نجات کے لیے لمحہ فکر ہے، کیوں کہ اس کے ظاہر میں کوئی اکتساب نظر نہیں آتا۔ یہ بندہ اور خدا کے درمیان وہ ماملہ ہے جس پر تصوف میں بحث کی گئی ہے۔ جس میں بندہ اور خدا کے درمیان کا باہمی ربط اور بہت سے مسائل ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ یہ علم طریقت کی وہ فقہ ہے جس میں زہد وتقویٰ اور تعلق باللہ کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بزرگان طریقت نے اسے سمجھنے میں اپنی صلاحیتیں صرف کیں اور وہ اہل اللہ سامنے آئے، جن کی جستجو معرفت رسا اور حق شناس ہوئی۔ حضرت شاہ

ایوب ابدالی رحمۃ اللہ علیہ اسی بحر طریقت کے گوہر شناس ہیں۔ جن کے خزینہ میں بے شمار لعل و گہر میں دین کی حقیقت سمجھنے اور سمجھانے میں ان کی پوری زندگی اسی سمندر کی غواصی میں گزری۔ انہیں اللہ کے حضور کامیابی اور نجات کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہی۔ ان کی ذات انسانیت کے لیے فائدہ منداور زندگی کے درد کا مداوا نبی۔ میں نے اپنے اوائل عمر میں انہیں دیکھا جب کہ میری کم عمری انہیں زیادہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ جو بھی دیکھا اس سے آج جو نتائج اخذ کرتا ہوں وہ یہی ہے کہ تعلقات کثیر کے باوجود ان کے خصوصی اور دیرا ستوار روابط صاحبان فکر و نظر کے ہی ساتھ رہے اور اس نہج فکر کے لیے ہر حلقہ فکر کو قبول کیا۔ معرفت در حقیقت کو پانے کے لیے ہر راستے سے گذرے۔ میرے دادا حکیم سید شاہ تقی حسن بلخی شمسی جو ان کے حقیقی پھوپھازاد بھائی تھے، رشتہ سے کہیں زیادہ ان کے ساتھ اسی تلاش و جستجو کا ربط تھا۔ طویل نشستیں ہوتیں۔ اور اسی طرح کے عنوانات بیشتر موضوع بحث بنتے۔ وہ وقت تو صرف سننے کا تھا لیکن آج یہ گفتگو اس نتیجہ کو اخذ کرتی ہے کہ یہ حضرت شاہ ایوب ابدالی کے دین میں درک اور درد کی علامت ہے۔ بعد از وصال ان کی متعدد تصنیفات اب منظر شہود پر آ چکی ہیں۔ جن کا محور و مرکز یہی ہے کہ نجات آخرت اور رضائے الٰہی کے رموز و اسرار کیا ہیں؟ کیا زندگی مجرد اطاعت اور بندگی کا نام ہے۔

مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

یا یہ بندگی نگاہ و قلب کے ایمان کے ساتھ ہے۔ زبان سے لا الہ کا اقرار ہی حاصل زندگی ہے یا فکر و نظر اور قلب و جگر کا مومن ہونا بھی ضروری ہے۔

زبان نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
نگاہ و قلب جو مومن نہیں تو کچھ بھی نہیں

اگر فقط احکام الٰہی کی پابندی ہی مقصود زندگی ہے، تو اسے کس تصور پر سمجھا جائے۔ اللہ کی مرضی کس طرح ایمان اور عقیدہ میں راسخ ہو۔ انابت، خشیت اور رجائیت کے جذبات کہاں سے لائے جائیں۔ کون سے عوامل ایسے ہیں جو اللہ کے حضور خود سپردگی پر آمادہ کریں یہ کام تو فکر و نظر اور وجدان و قلب کا ہے۔ اور ان ہی کی رہنمائی کا ہے جس کے بغیر بندگی کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ پھر یہ عوامل سادہ ہیں یا ان سے گزرنے کی کیفیات ہیں۔ نیز یہ کیفیات اکتساب سے یا صحبت و نظر سے ملتی ہیں یا نہیں۔ رضائے الٰہی کا ایک طالب ان مسائل پر غور کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کیوں کہ اس کی زندگی کا مقصود ہی رضائے الٰہی ہے وہ اس سے لاحق سارے مسائل کو موضوع بحث سمجھے گا۔ وہ ایمان کو، ایمان کے درجات کو، عمل سے اس کے ربطہ کو اور متعلقہ سارے مسائل کو سمجھ کر اپنے مقام کا جائزہ لے گا۔ اسے اس کی فکر دامن گیر ہوگی کہ وہ اللہ کی رضا کا مستحق ہے یا نہیں؟ حضرت شاہ ایوب ابدالی نے ان موضوعات کو ترجیحی مرجعۂ بحث بنایا۔ دین کو اس کے حقیقی اور مکمل ماہیت میں سمجھنے کی کوشش کی۔ ایمان کو اقرار باللسان کے ساتھ اقرار بالقلب کی روشنی میں دیکھا۔ اپنی کتاب تصوف و احسان میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''جو آیتیں کہ اعتقاد میں ہیں وہ بھی جاننا چاہیے تا کہ غلطی میں نہ پڑے اور راہ راست سے دائیں بائیں نہ گر پڑے، جان لو کہ اعتقاد میں بھی سچائی ہی درکار ہے۔ نفس کی صنعتوں سے اعتقاد آلودہ نہ ہونے پائے''

اسی طرح ان کے پیش نظر تقویٰ بھی کسی ایک حالت کا نام نہیں۔ اس میں بھی مقدار ہے، کیفیت و کمیت ہے۔ کہتے ہیں:

''تقویٰ کی بھی ایک ابتداء ہے اور ایک انتہاء ہے۔ ابتدا ظاہر شریعت کو مضبوطی سے پکڑنا ہے اور انتہا حقیقت تک اس کی عزیمتوں کے ساتھ پہنچنا ہے''

ایمان، عقیدہ، زہد اور تقویٰ اور ان جیسے سارے غیر مرئی امور میں درجات کا تعین اہل تصوف کے ہی وضع کردہ نہیں بلکہ کتاب و سنت سے ثابت ہیں۔ حضرت شاہ ایوب ابدالی نے حدیث ام السنہ سے دین کے تین درجے قائم کیے ہیں۔ اور پھر آخری درجہ احسان پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اسے خصوصی موضوع بحث بنایا ہے۔ اور اس حدیث کی تائید میں قرآن کی ہی آیت پیش کی ہے جس میں تین درجہ کے لوگوں کا ذکر ہے۔ قرآن کا وارث بنانے کے ضمن میں ہے سورہ فاطر میں اللہ کا ارشاد ہے۔

ثُم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عباد

فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات اور ہم نے اپنی کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے منتخب کرلیا تو ان میں سے کوئی اپنی جان پر ظلم کرتا رہا اور کوئی میانہ رو رہا اور کوئی نیکیوں میں آگے بڑھ گیا۔

مفسرین کے نزدیک یہ سبھی مختلف درجات کے ہوتے ہوئے بھی مسلمان ہیں۔ بعض مفسرین کے نزدیک یہ سب اہل جنت ہیں۔ صوفیاء میں شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی اپنی کتاب ''عوارف المعارف'' میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سب جنتی ہیں۔ ایک حدیث میں بھی جو حضرت اسامہ سے روایت ہوئی ہے۔ تینوں طرح کے لوگوں کو جنتی قرار دیا گیا ہے۔

اس طرح حضرت شاہ ایوب ابدالی ان مسائل کو موضوع بحث بناتے اور ان کو بھی ناامید اور نامراد ہونے دینا چاہتے جو اپنے ایمان میں ضعیف ہیں۔ یا اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے فسق وفجور اور گناہ کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔ انہوں نے ظالم لنفسہ کی تفسیر بھی صوفیا اور محدثین کے مختلف اقوال کی روشنی میں کی ہے۔

حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری کی کتاب ''عقائد شرفی'' اسی نوعیت کی ایک کتاب ہے جو صرف ایمانیات کی بحث سے تعلق رکھتی ہے۔ مختلف مترجمین نے اس کتاب کی فارسی سے اردو میں ترجمانی کی ہے۔ حضرت شاہ ایوب ابدالی نے بھی اسے اردو کا قالب دیا۔ کتاب طبع ہوکر منظر عام پر آئی۔ ایمانیات کے تعلق سے ان کی یہ ترجمانی غایت دل چسپی کی غماز ہے۔ اسی طرح ذکر وفکر کے نام سے بھی جو ان کی تالیف ہے وہ بھی اسی فہم دین پر ہے کہ ذکر وفکر سے معرفت حق ایک سالک راہ کے لیے کس طرح ممکن ہے مشائخ سلاسل نے کس طرح اسے موضوع بحث بنایا۔ اور اسے اپنے انداز سے رواج دیا، یہ ساری تفصیلات اس کتاب کا حصہ ہیں۔

ذکر وفکر، تسبیح وتہلیل اور دیگر اشغال روحانی کو انہوں نے اعضاء وجوارح وزبان کے ساتھ ایمان سے بھی ہم آہنگ کیا۔ تاکہ ان اشغال میں معنویت پیدا ہو۔ ان میں طمانیت کا احساس اور روحانیت کا ذوق مل سکے۔ تمام سلاسل پیران کی نظر بہت وسیع تھی۔ اپنے دینی تفقہ کی روشنی میں انہوں نے اس کا عمیق مطالعہ کیا۔ ریاضت ومجاہدہ اور تجربہ کی صورت میں اپنایا۔ اعمالیات میں ان کی زندگی کا ایک بڑا حصہ صرف ہوا۔ بہت سے ایسے واقعات ان کی ذات سے صدر میں آئے جو ان کی کرامات کا حصہ بن گئے۔ انہوں نے فہم دین اپنا مقصد حیات بنایا، تاکہ زندگی کے مسائل کو بھی اسی کی روشنی میں سمجھا جاسکے۔ ساری زندگی اسی دل چسپی پر وہ قائم ودائم رہے۔

ایسی ہستیاں کم ہی پردۂ ظہور پر نمایاں ہوتی ہیں، جنہیں مشعل راہ بنا کر انسان اپنی نجات کی بھی راہ استوار کرسکے۔ معرفت، حکمت، تفقہ، بصیرت اور سمجھ کم ہی لوگوں کا حصہ ہوتی ہیں۔ اسی کم یابی کی وجہ سے کہا گیا کہ جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر عطا ہوگئی۔ ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً

ایسی ہی گراں قدر ہستیوں کے لیے یہ حدیث بھی وارد ہوئی ہے کہ ان کی فہم وفراست کو معمولی نہ سمجھو، اس لیے کہ ان کی بصارت میں بھی اللہ کا نور ہے۔ اتقوا بفراسۃ المومن فاین ینظر بنور اللہ

کیونکہ انہیں ایسے ایمان واعمال، حقیقت کی منزل پر پہنچ کر حاصل ہوتے ہیں۔ ان کا علم علم الیقین ہوتا ہے وہ کانک تراہٗ کے مقام احسان پر ہیں۔

حضرت شاہ ایوب ابدالی کی زندگی کے مختلف گوشے لائق توجہ ہیں۔ لیکن فہم دین کا یہ گوشہ اس لیے لائق ترجیح ہے کہ علم کے سارے شعبے اسی اساس پر قائم ہیں۔ اس کے بغیر سارے علوم کی معنویت باقی نہیں رہتی۔ انہوں نے اس جستجو کو اپنا مقصود بنایا۔ اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ زندگی کی حقیقت کو سمجھنے کی ترغیب وتحریک دی تاکہ انسان اپنے اعمال کے ساتھ اپنے ایمان اور عقیدہ کو بھی صحیح سمت دے سکے۔ یہ صرف اہل تصوف کا ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کا مقصد حیات ہے۔

☆☆☆

سید شاہ محمد ایوب ابدالی: یادوں کے افق پہ

ڈاکٹر یحییٰ ابدالی: منیر شریف پٹنہ

عم محترم جناب سید شاہ محمد ایوب صاحب علیہ الرحمہ اپنے بزرگوں کی روایت کے امین رہے۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے جس طرح جد امجد شاہ اسد اللہ صاحب علیہ الرحمہ اور چھوٹے دادا جناب شاہ سید علی صاحب علیہ الرحمہ میں محبت وموافقت تھی وہی آپ میں اور والد ماجد علیہ الرحمہ میں تھی۔ بڑے تھے اس لیے بہت مانتے تھے۔ اور والد ماجد بھی بڑی عزت کرتے تھے۔ کوئی بات اگر کہنی ہوتی تو براہ راست کم ہی کہتے۔ ہم لوگوں کو اکساتے کہ کہو پھر اس موضوع پر دونوں بھائیوں میں باتیں ہونے لگتیں۔ خانقاہ بلخیہ فتوحہ میں ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ مولانا رفیق صاحب اور مدرسہ دارُ العلوم کانپور سے تکمیل وفراغت تعلیم حاصل ہوئی۔ بیعت وارشاد تعلیم وتربیت باطنی اور اجازت وخلافت اپنے والد ماجد جناب سید شاہ سید علی صاحب علیہ الرحمہ سے تھی۔ فن حرب وضرب کا شوق پیدا ہوا تو اس میں استادان فن سے کمال حاصل کیا۔ تیرا کی اور موسیقی میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ شاعری تو ورثے میں ملی ہی تھی۔ والد بھی شاعر تھے اور دادا بھی۔ اس پر اسلام پور کا ماحول، جہاں حضرت صوفی منیری کے عہد ہی سے شعر وشاعری کا ماحول بنا ہوا تھا۔ کسب کمال ظاہری وباطنی میں کسی سے پیچھے نہ تھے بلکہ بزرگوں کے خانوادہ کے باقیات الصالحات سے آپ کو تعبیر کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ منیر اور بزرگان منیر سے آپ کو بھی بے انتہا عقیدت ومحبت سرشاری کی حد تک تھی۔ جب موقع ملتا ہفتہ دو ہفتہ یا محض چند دن اور چند گھنٹوں ہی کے لیے منیر ضرور پہونچتے۔ خصوصیت کے ساتھ حضرت مخدوم شاہ دولت صاحب علیہ الرحمہ کے فاتحہ کے دن منیر ضرور پہنچتے۔ اور موقع ہوتا تو چند دن قیام بھی فرماتے۔ اور درگاہ شریف کی حاضری تو معمولات میں سے تھی ہی۔ تربیت واصلاح اور کردار سازی کا انوکھا انداز تھا کہ کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور وہ آپ کے سانچے میں ڈھل جائے۔

اور اپنی خواہش کو آپ کے فرمان پر قربان کردے۔

ایک بار منیر میں حضرت والد ماجد سے باتیں موجودہ زمانہ کی بے راہ روی اور فیشن وغیرہ کی ہو رہی تھیں۔ بات عمومی تھی، لیکن اسے آپ نے خاندان کے لڑکوں کا ذکر کر کے خصوصی موڑ دیا اور بال بڑھانے کی بات آگئی کہ لڑکے مدارس میں پڑھ رہے ہیں۔ لیکن وضع قطع عجیب ہوتی جارہی ہے۔ کچھ اس انداز میں آپ نے یہ بات فرمائی کہ میرے دل کو لگی اس لئے کہ اس وقت ایسے لوگوں میں ہی تھا جن کی بات ہو رہی تھی۔ حسن اتفاق محمد میاں حجام بھی اسی وقت آگئے میں ان کے سامنے بیٹھ گیا کہ مشین سے میرا سر کا بال برابر کردو۔ انہیں تعجب کہ یہ کیا؟ لیکن یہ تو ہونا ہی تھا، تھوڑی دیر بعد آپ دکھن طرف کے سائبان میں کسی ضرورت سے تشریف لائے جہاں میری حجامت بن رہی تھی۔ دیکھا، مسکرائے اور فرمایا کہ "میرا اشارہ تمہاری طرف تو تھا نہیں۔ لیکن تم نے جو کیا اچھا کیا۔ طبیعت خوش ہوئی کاش یہ خوشی مجھے دوسری طرح بھی حاصل ہوتی" اشارہ تو میں سمجھ گیا۔ لیکن مجال کیا جولب ہلاؤں۔ ایک بار استاذ مکرم جناب عزیز الحسن صاحب عزیز بہاری کو اپنی کتاب تنویر شرف کے لیے جو حضرت مخدوم کے حالات اور تعلیمات پر ترتیب دے رہے تھے، ایک مقام پر کچھ صراحت کی ضرورت آن پڑی۔ حضرت مخدوم کے عقیدہ ومسلک کے متعلق صاحب سیرۃ الشرف نے ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرت مخدوم کا قول یہ ہے کہ "در مذہب ما استثناء در استقبال در ایمان جائز دارند" اور اس سے استنباط کیا ہے کہ آپ حنفی المذہب اور سنی العقیدہ تھے۔ اس مقام کی وضاحت جیسا عزیز صاحب مرحوم چاہتے تھے نہیں ہو پا رہی تھی۔ گرچہ انہوں نے کئی جید علماء سے بھی رجوع فرمایا تھا۔ منیر میں آپ کے سامنے یہ مسئلہ رکھا آپ نے اتنے اچھے انداز میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی اور حوالہ میں چند واقعات وحکایت بھی رکھے کہ مسئلہ

پوری طرح حل ہوگیا۔ اور کسی طرح کی تشنگی باقی نہ رہی۔

منیر کے قیام کے دوران آستانہ کی حاضری بزرگوں کے معمول کے مطابق بعد نماز عصر ہوا کرتی تھی۔ مغرب کی نماز وہیں پڑھتے اور بعد مغرب ذکر و مراقبہ میں حضرت مخدوم شاہ دولت رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے میں مشغول ہوتے۔ ایک بار میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ مغرب کی اذان دی اور منتظر تھا کہ نماز پڑھائیں۔ آپ نے امامت کے لیے مجھے بڑھا دیا۔ الامر فوق الادب کا ممکن نہ تھا۔ لیکن رعب بری طرح طاری تھا۔ جلدی جلدی نماز ختم کی دعاء میں آواز نہ نکلی، ہاتھ منھ پر پھیرا تو ارشاد ہوا "یحیٰ میاں! اگر میں اندھا ہوتا تو ہاتھ اُٹھائے بیٹھا رہتا، دعا میں آہستگی چاہیے لیکن بزرگوں نے آخری کلمات زور سے ادا کیے ہیں تاکہ مقتدی کو نماز اور دعاء کے ختم ہونے کا علم ہوجائے"

مریدوں اور معتقدوں کی خواہش کے آگے مجبور تھے، ہمیشہ سفر میں رہتے لیکن اپنی مشغولی سے بے خبر نہ رہتے۔ ایک بار اپنے ایک مرید کے یہاں عشاء کی نماز اور کھانے کے بعد یکسوئی، تنہائی اور ذکر و مراقبہ کے لیے آپ نے اس مرید کے مکان کی چھت منتخب کی۔ ٹھنڈک پڑھنے لگی تھی۔ لوگوں نے کہا بھی۔ آپ نے فرمایا، بس تھوڑی دیر کے لیے پھر تو نیچے آہی جاؤں گا۔ اس بات کی اطلاع ملازم خانہ کو نہ تھی۔ اس نے معمول کے مطابق اوپر کی منزل میں دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا اور آپ ساری رات چھت پر رہے۔ ٹھنڈک بھی آخر شب میں بہت بڑھ گئی تھی۔ مالک خانہ نے صبح کی چائے پیش کرنے کے لیے جب آپ کو آپ کے کمرے میں تلاش کیا اور نہ پایا تو اس کی حالت ہی غیر ہونے لگی کہ پتہ نہیں پیر میاں کا کیا حال ہوا۔ تالا کھولا اور چھت پر پہونچا تو آپ کو نماز میں مشغول دیکھا۔ خدا کا شکر بجالایا۔ اور بعد فراغت نماز آپ سے عذر کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا "چلو اچھا ہوا بہت دنوں بعد پرانے داؤ پیچ دہرانے اور ڈنڈ بیٹھکی کرنے کا موقع مل گیا" آپ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ٹھنڈک سے بچنے کے لیے اور بدن گرم رکھنے کے لیے کسرت اور ورزش کا سہارا لینا پڑا۔ جب کہ یہ، رات بھر ایک ایسے شخص کے لیے قطعی ناممکن ہے، جس نے ایک عرصہ ہوا یہ سب ترک کر دیا تھا۔ یہ تو محض استتار کی ایک شکل تھی کہ حقیقت حال پر پردہ پڑا رہے۔

صبح کی نماز کے بعد اکثر اشعار مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت جامی کی نعت و مناجات یا حضرت صوفی منیری کی ایک مناجات مثنوی مولانا روم کے انداز میں خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے۔ اور ایک خاص کیفیت میں ہوتے۔ اشک آنکھوں سے اکثر جاری رہتے اور درمیان میں رک رک کر اللہ ربی کا نعرہ زبان پر ہوتا۔ حضرت صوفی منیری کی جو مناجات آپ اس وقت پڑھتے وہ نہ تو آپ کی کلیات میں ہے۔ اور نہ کہیں اور میں نے لکھی دیکھی ہے۔ آپ سے سنا اور آپ ہی کے فیض کا اثر ہے کہ وہ پوری کی پوری مجھے اسی طرح یاد رہ گئی۔ عقیدتمندوں کے فائدہ کے لیے تمام وکمال تحریر ہے۔

اے خدا وند وکریم بے نیاز
جرم بخش وعیب پوش وکارساز
سب سے مستغنی ہے تو اے ذوالجلال
ہے تری درگاہ عالی لایزال
خلق کی طاعت سے نے تجھ کو کمال
نے گنہ سے ان کے کچھ نقص وزوال
کیا عدم میں کام ہم نے تھا کیا
جس کے بدلے میں ہمیں ایماں دیا
فضل سے اپنے دیا ہے بے سبب
ہم تو بیجاں تھے نہ دل تھا نے طلب
سر پہ آیا ہوں لیے بار گناہ
نے عبادت ہے نہ طاعت آہ آہ
فضل ہے یارب ترا احسان ہے
میری اک پونجی یہی ایمان ہے
دیدۂ بینائی تحقیق دے
نیک کاموں کی ہمیں توفیق دے
نزع میں جب حال میرا غیر ہو
یا الٰہی خاتمہ بالخیر ہو
دم اگر نکلے تو تیرے ذوق میں
جان اگر جائے تو تیرے شوق میں
تلخی سکرات دے دل کو مزا
نام تیرا منھ کرے میٹھا مرا



حضرت سید شاہ ایوب ابدالی کے خلفا اور ان کے تعلقات کا پس منظر

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ

ہمارا عہد عجیب شکست وریخت اور انتشار وافراتفری کا شکار ہے۔ گھر سے لے کر باہر تک اور اپنوں سے لے کر غیروں تک ذہنی تناؤ اور بکھراؤ کا ایسا طوفان ہے کہ آپس کے تعلقات فاصلوں کی زد میں آرہے ہیں اور اس وقت آرہے ہیں جب اتحاد کی سخت ضرورت ہے۔ حد یہ ہے کہ عوام کے ساتھ خواص کا طبقہ بھی اس مرض کا شکار ہے، کیا درسگاہ وکیا خانقاہ؟ ہر جگہ فاصلوں کی بڑھتی خلیج کا سانحہ، امت مسلمہ کو مسائل سے دوچار کررہا ہے۔ وہ لوگ تاریخ کا حصہ بن گئے جو درد سہہ کر علاج دردمنداں کیا کرتے تھے، جنہیں مسیحائی میں لطف اور زخم دل پینے میں طمانیت کا احساس ہوتا تھا، اب یہ ہمارا دور ہے جس میں معائب حسن، عیب جوئی مشغلہ اور جوش انتقام سامان راحت ہے۔ عفو درگزر اور ایثار واحسان، کتابوں کے خوش کن ابواب ہیں عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تاہم دنیا ایسے لوگوں سے خالی نہیں جنھوں نے ''احسان وتصوف'' کے تسلسل کو اپنے کردار وعمل کے ذریعہ باقی رکھا ہے۔ ایسے لوگ کل بھی ہمارے لئے مشعل راہ تھے اور آج بھی ایسے حضرات کا کردار ہماری منتشر زندگی کو ایک مرکز پہ سمیٹنے کے لئے نقطہ پرکار بن سکتا ہے۔

ماضی کا ایک زریں دور وہ بھی رہا ہے جب درسگاہیں خانقاہوں کے آغوش میں ہوا کرتی تھیں اور خانقاہوں کے امین درسگاہوں کے تقدس اور اس کی افادیت کو خانقاہ کا اٹوٹ حصہ سمجھتے تھے۔ علم دین اور دنیا کی تقسیم کا کوئی معاملہ بھی نہیں تھا بلکہ آج کی اصطلاح میں ''عصری'' کہے جانے والے علوم وفنون بھی درسگاہ ہی سے وابستہ تھے۔ بوعلی سینا، امام رازی، علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان جیسے حضرات کی زندگی کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مدرسہ کی چہار دیواری ہو یا خانقاہ کی چوحدی، علم وفن کی ہر شاخ یہاں کی مٹی سے اپنے وجود کی خیرات پاتی تھی۔ آج علم کی تقسیم نے ہمیں تقسیم کردیا۔ یہ مولوی ہے اور یہ ٹیچر۔ یہ عالم ہے یہ پروفیسر۔ المیہ یہ کہ اس تفریق نے ذہنوں کو بھی ایسا تقسیم کردیا کہ دونوں قریب رہتے ہوئے بھی بعد المشرقین کا شکار ہیں۔ یہ اس زعم میں ہیں کہ وہ دینی علم سے ناآشنا ہے اور وہ اِس غم میں مبتلا ہیں کہ انہیں زمانہ سے مقابلہ کی صلاحیت نہیں۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

نظریہ واعتقاد اور کردار وعمل کے اعتبار سے بھی وہ عہد اتنا زریں ماحول ساز واثر انداز تھا علم تصوف سے اور تصوف علم سے الگ نہ تھا، اسی لئے اس عہد کے فارغین من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق (جس نے فقہ حاصل کیا اور تصوف نہیں وہ فاسق ہے اور جس نے تصوف حاصل کیا مگر فقہ نہیں وہ زندیق) کے پیش نظر علم کے ساتھ معرفت کے بھی غواص ہوا کرتے تھے۔ جو صوفی تھے وہ فقہ کے عالم بھی تھے اور جو عالم تھے وہ تصوف نظری وعملی سے وابستہ۔ اپنے ملک ہندوستان کا جائزہ لیں تو اکبر کے دور سے لے کر چودہویں صدی تک ایسے علما وصوفیہ کی ایک لمبی فہرست

ملے گی جن کی شہرت اگر عالم فقیہہ، محدث سے ہے تو معرفت وتصوف سے بھی ان کا دامن حیات مالامال ہے حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، علامہ فضل حق خیر آبادی، شاہ فضل رسول بدایونی، علامہ عبدالعلیم فرنگی محلی، علامہ شاہ عبدالقادری بدایونی امام احمد رضا فاضل بریلوی وغیرہ ایسے ہی علما میں ہیں۔ ان کی کتابیں مطالعہ کریں احساس ہوگا اگر انہوں نے علم فقہ کو مشغلہ نہ بنایا ہوتا تو ان کی شناخت کا رخ تصوف ہوتا اور شیخ کامل کی حیثیت وہ تاریخ میں محفوظ ہوتے، مگر اس کے باوجود انہیں صوفیہ کی فہرست میں شمار نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح چاروں سلاسل کے مشائخ حضرت محبوب الٰہی، حضرت مخدوم جہاں، حضرت میر عبدالواحد بلگرامی، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت مولانا مظفر بلخی، حضرت سید شاہ آل رسول احمدی مارہروی، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی، حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ کی شناخت تو عارف معارف صوفی صافی اور شیخ طریقت کی حیثیت سے ہے مگر ان کی کتابیں مکتوبات وملفوظات کا مطالعہ کریں تو اندازہ ہوگا کہ ان میں فقہیات کی ایک دنیا آباد ہے۔ فقہ حنفی پر مشتمل ایسے ایسے مسائل یہاں بیان ہوئے ہیں کہ الجھی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں اور یہ احساس ہوتا ہے کہ تصوف کے نظریاتی مسائل کی طرح فقہی مسائل پر بھی ان کی گرفت مضبوط ہی نہیں مکمل ہے۔ مگر اس کے باوجود ان کی شہرت عالم وفقیہہ سے نہیں شیخ طریقت اور غواص بحر معرفت سے ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ماضی قریب میں دو قبلوں (درسگاہ وخانقاہ) کی یکجائی نے (آج کے) دو فکری دھارے کو ایک مرکز پہ سمیت رکھا تھا مگر آج ایک عقیدہ پر کاربند رہتے ہوئے بھی سلسلہ مدارس والے بریلوی ہیں اور سلسلہ تصوف والے خانقاہی۔ جب کہ معمولات ومراسم کے اعتبار سے جماعتی حریف کی نگاہوں میں یہ دونوں ایک ہیں جنہیں وہ بریلوی کہتے ہیں خانقاہی نہیں۔ حالانکہ اپنے عقائد ونظریات اور معمولات ومراسم کے اعتبار سے جو بریلوی ہے وہ خانقاہی اور جو خانقاہی ہے وہ بریلوی۔ یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ اپنی اصل کے اعتبار سے نہ ہم بریلوی ہیں اور نہ خانقاہی بلکہ ہم اہل سنت وجماعت ہیں۔ جو عقیدہ ونظریہ ہمیں قرآن وسنت کے مطابق عہد بہ عہد اپنے اسلاف سے ملا ہے اگر ہم اس پر کاربند وعمل پیرا ہیں تو ہم اہل سنت وجماعت ہیں خواہ خود کو بریلوی وخانقاہی کہیں یا کہلوائیں اور اگر اس عقیدۂ متوارثہ سے معاذ اللہ کوئی منحرف ہوجائے تو نہ وہ بریلوی ہے اور نہ خانقاہی، اس لئے کہ جب عقیدہ کی بنیاد ہی سلامت نہ رہی تو لفظی اصطلاح کی دعویداری سے کیا حاصل؟

آج کے ماحول میں بعض جگہوں پہ محض اختلاف مشربیت کی بنیاد پر ہمارے مابین کچھ فاصلے ہیں جنہیں ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو اکابر کی روحیں یقیناً مضطرب ہوں گی اور ان کا اضطراب ہمارے لئے سوہان روح ہوگا۔ ان فاصلوں کو سمیٹنے کے لئے ماضی کی ان مضبوط کڑیوں کا سہارا لیا جاسکتا ہے جن میں اختلاف مشارب کے باوجود علما ومشائخ میں اتحاد ومودت کی فضا قائم تھی، ادب واحترام کا جذبہ فراواں دلوں میں جگہ بناتا تھا اور دوسروں کو خود سے بڑا سمجھنے کا مخلصانہ عمل مریدین کو اسوۂ حسنہ کی ترغیب دلاتا تھا۔ اگر اس کی زندہ وتابندہ مثال دیکھنی ہو تو عظیم آباد پٹنہ میں قاضی عبدالودود کے والد قاضی عبدالوحید فردوسی جو خانقاہ معظم بہار شریف کے صاحب سجادہ جنابحضور شاہ امین احمد فردوسی کے مرید اور اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے خلیفہ ومجاز تھے، کے قائم کردہ "مدرسہ اہل سنت مدرسہ حنفیہ" کے منعقدہ اجلاس ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ کی تفصیلی رپورٹ "دربار حق وہدایت" ملاحظہ کریں اور اس ردندوہ کانفرنس کے لئے اعلیٰ حضرت کے کہے گئے قصیدہ "آمال الابرار" کا مطالعہ کریں جس

میں جنا بحضور شاہ امین احمد فردوسی، شاہ بدرالدین پھلواروی، شاہ محی الدین پھلواروی، شاہ غلام حسین بہاری، شاہ غلام مظفر بلخی، شاہ عزیز الدین قمری، شاہ نصیر الحق، شاہ وحید الحق، شاہ شہود الحق علیہم الرحمہ والرضوان جیسے بہار کے مشائخ عظام کا والہانہ تذکرہ ہے۔ چند اشعار اس حوالہ سے ملاحظہ کئے جائیں تا کہ اس عہد کے علما ومشائخ کے درمیان تعلق قلبی کا اظہار ہو سکے۔

بقیۃ الاولیاء امین احمد

امین احمد امن حمود

اولیا کے بقیہ جنا بحضور حضرت شاہ امین احمد ثبات بہاری، صاحب امانت۔ ستودہ صفات

شمائلہ تذکرنا الصحابہ

سحائبہ علی کل تجود

ان کی خصلتیں ہمیں صحابہ کی یاد دلاتی ہیں، ان کے بادل سب کو فیض پہنچاتے ہیں

ومن للحق ان تنسب تقل ذا

نصیر ذا وحید ذا شہود

اور وہ کہ جب تو انہیں حق کی طرف اضافہ کرے تو کہے کہ یہ نصیر ہیں یہ وحید ہیں یہ شہود اور حضور ہیں۔ اشارہ حضرت سید شاہ نصیر الحق، سید شاہ وحید الحق، سید شاہ شہود الحق علیہ الرحمہ ہیں۔

غلاماً للحسین وللمظفر

عزیر الدین ذا عزیسود

سید شاہ غلام حسین صاحب بہاری و سید شاہ غلام مظفر صاحب بلخی فتوحی، و سید شاہ عزیز الدین صاحب قمری صاحب عزت وسرداری۔

بفلواریہ محی الدین ورد

لبدر سمائہا نجم حرید

پھلوری شریف کے سید شاہ محی الدین صاحب اپنی پھلواری کے پھول، اس کے آسمان کے بدر، ستارۂ یکتا

اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کس کس انداز میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے عہد کے بزرگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ محبت عقیدت اور اظہار حقیقت کا ایک گلشن ہے جس سے مشام جاں معطر ہوتا ہے۔

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ سن ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے یعنی اعلیٰ کے وصال ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ سے ۱۶/سال قبل۔ سن ۱۳۸۷ھ/ ۱۹۶۷ء میں آپ کا وصال ہوا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے آپ کی ملاقات نہیں مگر اس کے باوجود تعلقات کی کچھ پہلو ایسے ہیں جو آج کے حضرات کے لئے ذہن کشا، اطمینان بخش اور سامان دل بستگی ہیں۔ جن میں ایک ''خلفائے شاہ ایوب ابدالی اور اعلیٰ حضرت سے ان کے تعلقات کا پس منظر'' ہے۔ اس روزن سے اگر جھانک دیکھیں تو خانقاہ رضویہ بریلی شریف اور خانقاہ ابدلیہ اسلام پور کے درمیان خوشگوار تعلقات کے رنگ برنگ پھول مہکتے دمکتے نظر آئیں گے۔ ضرورت ہے کہ تاریخ کے ان اوراق کو حال کے تناظر میں پرکھا جائے اور اسے بنیاد بنا کر احیائے تعلق کی ایسی نظیر قائم کی جائے جس سے دوسروں کا خوابیدہ ذوق بھی بیدار ہو۔ موضوع کے حوالہ سے حضرت شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ کے چند خلفا اور امام احمد رضا کے حوالہ سے ان کی محبت عقیدت کا مختصر جائزہ پیش ہے۔

ڈاکٹر سید شاہ طیب ایوب ابدالی:

حضرت سید شاہ طیب ابدالی، حضرت سید شاہ ایوب ابدالی کے بڑے فرزند اور ان کے خلیفہ ومجاز ہیں۔ خانقاہ ابدالیہ کی ایک علمی کڑی کی حیثیت سے آپ کی شخصیت مسلم ہے۔ آپ نے اس خانقاہ کے علمی ورثہ کو سنبھال سنبھال کے رکھا اور اسے جدید تقاضے کے مطابق زیور طباعت سے آراستہ کیا۔ شاہ ایوب ابدالی کی کئی کتابوں پر آپ نے کام کیا، اسے جدید انداز میں طباعت کرائی۔ تصوف اور شاعری کے موضوع پہ آپ کی کئی تصانیف

ہیں جنہیں علمی حلقہ میں ماخذ کا درجہ حاصل ہے۔ اپنی کتاب ''تذکرہ صوفیاے بہار'' میں آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا بھی تذکرہ کیا ہے جو صفحہ ۵۶ سے صفحہ ۵۷ تک پھیلا ہوا ہے۔

اس میں آپ نے تصوف کے دسویں دور کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> اس دور میں تصوف، اس کے افکار واشغال اور معمولات پہ خوب کرم فرمائی کی گئی، اور اس چشمۂ صافی کو گدلا کرنے اور گندہ دکھانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔ کسب دنیا کے لئے دنیا کا زیادہ استعمال ہوا۔ بزرگوں نے تعویذ نویسی تو خدمت خلق کے لئے اور رشد وہدایت کی غرض سے عوام الناس کے اندر نفوذ کرنے کی خاطر اختیار کیا تھا لیکن اس دور میں اسے کھانے کمانے کا ذریعہ بنالیا گیا۔
>
> اہل حق ان حالات کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے اور زیادہ سے زیادہ کنارہ کش رہنے کی کوشش کرتے۔ شیطان کے بنائے ہوئے ان صوفی نما دجالوں کا جال توڑنے کے لئے مولویوں کا ایک گروہ صوفیت کا لبادہ اوڑھ کر میدان میں اتر آیا۔ اور ''یہ بدعت اور شرک'' کے نعروں سے فضا مرتعش ہوگئی۔ اگر یہ حضرات اصلاح احوال ہی تک اپنی کوششوں کو محدود رکھتے تو ایک بات تھی، لیکن انہوں نے اصلاح کے نام پر اپنے ''بدعت وشرک'' کی تلوار صوفیائے حقہ اور ان کے معمولات پر بھی بلند کی۔ مولانا اشرف علی تھانوی اور ان کے ہمنوا اس گروہ کے سرخیل تھے۔ ان کے مقابلہ میں حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، حضرت مولانا فضل رسول بدایونی اور مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی اٹھ کھڑے ہوئے اور علمی سطح پر مخالفانی خیالات کی بھرپور تردید کردی، جس سے اہل تصوف کو تقویت ملی اور انہوں نے دل جمعی کے ساتھ اپنا مشن جاری رکھا''

صوفیہ کے یہاں شعری روایت بھی رہی ہے یہی وجہ ہے کہ کئی صوفی، صاحب دیوان شاعر ہوئے۔ ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی کی کتاب ''اردو میں صوفیانہ شاعری'' میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ شاہ طیب ابدالی صاحب نے اس کتاب میں اعلیٰ حضرت کی شاعری کے حوالہ سے بھی جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی صوفیانہ شاعری کے حوالہ سے جہاں اہمیت کا حامل ہے وہیں یہ ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے اعلیٰ حضرت کو صوفیہ کی فہرست میں شمار کیا۔ ورنہ بعض لوگ انہیں ''مولانا'' سے آگے کچھ سمجھنے کے لئے تیار نہیں۔ خیر ملاحظہ کریں شاہ طیب صاحب کی تحریر کا یہ حصہ:

> دنیائے تصوف کے حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ تابندہ ستارے تھے۔ حضرت کے تبحر علمی کا شہرہ نہ صرف ہندوستان تک ہی رہا بلکہ عالم انسانی پھیلتا رہا۔ آپ بے شمار کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں فتاویٰ رضویہ آپ کی مشہور تصنیف ہے جس سے آپ کے تبحر علمی کا اور علوم دنیہ میں دقت نظری کا پتہ چلتا ہے۔ آپ کا ترجمہ قرآن مجید منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ حضرت احمد رضا خان صاحب اگر ایک طرف عالم متبحر صوفی باصفا مجدد وقت کی حیثیت سے مشہور ہیں تو اردو شاعر کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ کم نہیں۔ آپ کے مسلک تصوف میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو اہمیت حاصل ہے اور یہ اکابرین صوفیہ کا مسلک

رہا ہے‘‘(ص:۱۴۲)

حضرت سید شاہ طیب ابدالی صاحب کے بڑے فرزند جناب سید شاہ۔۔۔رازی مدظلہ نے اپنے والد گرامی کا بیان کردہ ایک واقعہ ہمیں سنایا کہ حضرت شاہ طیب ابدالی اپنی جوان العمری میں ایک بار بریلی شریف حاضر ہوئے تو اس سفر میں حضور مفتی اعظم ہند علامہ شاہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ ملاقات کے دوران جب یہ معلوم ہوا کہ آپ حضرت سید شاہ ایوب ابدالی کے بڑے صاحبزادے ہیں تو کھڑے ہوکر استقبال کیا اور اپنی جگہ انہیں بٹھاتے ہوئے فرمایا ’’آپ کی جگہ یہ ہے‘‘ نسبتوں کا احترام اور سادات کے لئے ’’سر تسلیم خم ہے‘‘ کی تعلیم جو اعلیٰ حضرت نے دی ہے اس کی جھلک خانوادہ رضا کے تمام حضرات اور ان کے مریدین میں آج بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

ملک العلما علامہ ظفر الدین رضوی بہاری:

حضرت ملک العلما (متوفی ۱۳۸۲ھ/مطابق ۱۹۶۲ء) کی شہرت تلمیذ اعلیٰ حضرت سے ہے۔ وہ علمی اعتبار سے بڑے بلند پایہ عالم، متبحر مفتی، اور جدید علوم کے ماہر تھے جسے انہوں نے اعلیٰ حضرت سے سیکھا تھا۔ انہوں نے اپنی تعلیم کی تکمیل کی بریلی شریف سے کی۔ آپ ہی کی کوششوں سے ام المدارس ’’جامعہ منظر اسلام‘‘ کا قیام (سن ۱۳۲۲ھ) عمل میں آیا۔ سن ۱۳۲۵ھ میں آپ کی فراغت ہوئی، اور اسی موقع سے اعلیٰ حضرت نے پہلے پہل اجازت وخلافت بھی عطا فرمائی۔ اعلیٰ حضرت آپ سے بے پناہ محبت فرماتے اور مکتوبات میں ’’ولدالاعز‘‘ لکھتے تھے۔ آپ اعلیٰ حضرت کے پہلے سوانح نگار ہیں ’’حیات اعلیٰ حضرت‘‘ کے نام سے وہ سوانح ہندو پاک سے مطبوع ہے۔ اس کے علاوہ اعلیٰ حضرت کی تصنیفات کی فہرست میں ’’المجمل المعدد لتالیفات المجدد‘‘ اور شان تجدید میں ’’چودھویں صدی کا مجدد‘‘ بھی شائع ہے۔ اس کے علاوہ ردوتنقید میں آپ نے کئی کتابیں لکھیں جیسے الحسام المسلول علی منکر علم الرسول، ظفر الدین الجید، شکست سفاہت، گنجینہ مناظرہ، ندوۃ العلما وغیرہ۔

ایک طرف اعلیٰ حضرت سے تعلق اور محبت وقربت کا یہ عالم ہے دوسری طرف حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ سے الفت محبت مودت کا عالم یہ ہے عمر کی اخیر منزل میں جب حضرت شاہ ایوب ابدالی سے پٹنہ کی میلاد پاک کی محفل میں ملاقات ہوئی تو پہلی ہی ملاقات میں دل سے دل تعلق جڑ گیا۔ دوبارہ ملنے کا اشتیاق اضطراب میں بدلا تو قدرت نے دوسری ملاقات کا بھی موقع فراہم کیا اور شاہ صاحب نے اس ملاقات میں سلسلہ ابدالیہ فردوسیہ کی اجازت وخلافت سے آپ کو بہرہ مند کیا۔ پھر حضرت ملک العلما کے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہوئی کہ ’’میری نماز جنازہ حضرت شاہ صاحب پڑھائیں‘‘ حضرت شاہ صاحب نے ان کی خواہش پر وعدہ فرمالیا اور چونکہ آپ ’’صاحب کشف بزرگ‘‘ تھے، اس لئے حضرت ملک العلما کے وصال کی رات ہی بغیر اطلاع کے پٹنہ پہنچ گئے اور مورخہ ۱۳۸۲ھ/مطابق ۱۹۶۲ء کو آپ نے حضرت ملک العلما کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت شاہ شاہد علی سبز پوش آسی رشیدی:

حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش (۱۸۸۸ء/۱۹۵۲ء) عالم فاضل عارف بزرگ تھے۔ آپ بحر العشاق حضرت سرکار آسی کے جانشین تھے اور انہیں کی طرح عارفانہ شاعری بھی کرتے تھے فانی تخلص تھا اور فانی گورکھپوری کے نام سے مشہور تھے۔ حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ کو آپ سے بھی سلسلہ رشیدیہ کی اجازت وخلافت حاصل تھی۔

سلسلہ رشیدیہ اور ابدالیہ فردوسیہ کے درمیان پاکیزہ تعلق پہ بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے مگر یہاں سلسلہ ابدالیہ فردوسیہ اور سلسلہ برکاتیہ رضویہ میں تعلقات کی کئی جہتیں ہمارے سامنے ہیں ایک یہ ہے جب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی کا وصال ہوا

توحضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش علیہ الرحمہ، جنہوں نے حضرت سید شاہ ایوب ابدالی کو اجازت وخلافت دی تھی، نے عربی میں ایک تاریخ وصال کہی **ان ذالك جزاء من تزکی** جو ان کے دیوان ''دیوان فانی'' کے صفحہ ۲۶۴ پر موجود ہے۔ تاریخ میں مذکور لفظ تزکی توجہ طلب ہے، جو تزکیہ سے مشتق ہے۔ اللہ والا اللہ والے کو پہچان سکتا ہے اس لئے تاریخ میں ایسا لفظ منتخب کرتا ہے جس سے شخصیت کی حقیقت منعکس ہوجائے۔

حضرت سید شاہ سبز پوش علیہ الرحمہ نے حضرت شاہ ایوب ابدالی کو خلافت دی تو حضرت شاہ ابدالی نے تلمیذ اعلیٰ حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین رضوی کو۔ جب کہ حضرت سبز پوش اور ملک العلما کے درمیان، براہ راست بھی بڑے عقیدت مندانہ تعلقات تھے۔ دونوں بزرگ آپس میں بڑی جذباتی قربت رکھتے تھے چنانچہ اس حوالہ سے حضرت شاہ سبز پوش کے دو خطوط ہماری رہنمائی کرتے ہیں جو ''جہان ملک العلما'' کے صفحہ ۹۱۸ پہ موجود ہیں۔ موقع کی مناسبت سے ایک خط یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

مجمع فضائل وحسنات جناب مولانا ظفر الدین

صاحب! زیدہ مجدہ

سلام مسنون تمنا مشحون

صحیح البہاری اور دو رسالے موصول ہوئے ہیں جناب کا نوازنامہ باعث شرف ہوا تھا اپنی ناسازی مزاج کی وجہ سے جواب کی تاخیر سے بہت شرمندہ ہوں العذر عند کرام الناس مقبول پورنیہ کے ضلع میں معرکہ آرائیاں معلوم کرکے بہت جی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کی کوششوں کو کامیاب فرمائے آمین ثم آمین۔

مصطفی سلمہ دست بستہ سلام عرض کرتا ہے جناب والا کی یاد اور ذکر خیر یہاں اکثر رہا کرتا ہے خدا کرے جلد آپ مطمئن ہوکر گورکھ پور کی مستفیض فرمائیں۔ گورکھ پور اور جون پور موذن الاوقات کی بھی منتظر ہوں اور اس کے ہدیہ سے بھی مطلع فرمائیں تو پیش کروں۔ سب کو سلام اور دعا حسب مراتب فرمائیے والسلام۔

خاکسار شاہد علی غفرلہ

از گورکھ پور یون دوشنبہ ۱۸ رجب ۱۳۷۱ھ

خط میں مذکور ''پورنیہ کے ضلع میں معرکہ آرائیاں معلوم کرکے بہت جی خوش ہوا'' سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شاہ سبز پوش ملک العلما کی علمی عملی اور فروغ سنیت کے سلسلہ میں کی گئی جدوجہد کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضرت نے اپنے ایک جملہ ''جی خوش ہوگیا'' کے ٹکڑے سے ملک العلما کی مجاہدانہ کوششوں پر اپنی مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔ پھر ''جناب والا کی یاد اور ذکر خیر یہاں اکثر رہا کرتا ہے'' سے جو محبت ہویدا ہے وہ محسوس کرنے کا ہے۔ خدائے پاک اس محبت کی بھیک ہمیں بھی عطا فرمائے۔

مفتی نیپال حضرت مفتی انیس عالم صاحب:

ادارہ شرعیہ کے امین شریعت دوم حضرت مفتی انیس عالم صاحب نوری کی تعلیم جامعہ منظر اسلام بریلی شریف میں ہوئی۔ وہیں آپ مدرس بھی ہوئے۔ پھر وہاں سے نیپال میں آپ نے خدمت دین کا کمان سنبھالی اور ''مفتی نیپال'' سے شہرت پائی۔ آپ کو بیعت فرزند اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند سے اور خلافت فرزند اکبر وجانشین اعلیٰ حضرت حجۃ الاسلام علامہ شاہ حامد رضا علیہ الرحمہ سے تھی۔ ادارہ شرعیہ کے قیام واستحکام میں جو انتھک محنت کی وہ مولانا ادریس رضوی کی کتاب ''مفتی نیپال: حیات وخدمات'' میں محفوظ ہے۔ مگر بایں جاہ وعظمت ایک خلافت آپ کو حضرت شاہ ایوب ابدالی سے بھی تھی۔ یہ خلافت عمر کے اخیر حصہ میں شاہ صاحب نے دی۔ ظاہر ہے اس وقت تک ان کی مذہبی مسلکی اور قومی خدمات کا شہرہ ہوچکا تھا امارت کے

مقابلہ میں اہل سنت کے لئے ادارہ شرعیہ کے قیام کی جدو جہد بھی طشت از بام تھی اس کے باوجود مفتی صاحب کو خلافت دینا ان سے اتفاق اور ان پر اعتماد ہی کی علامت کہی جائے گی۔اس طرح ان وسائط سے دو خانقاہوں میں فکری اتصال کی حقیقت دیکھی جا سکتی ہے۔

حضرت مولانا غلام یٰسین رشیدی:

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ کے خلفا کی قلمی فہرست میں ایک نام حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب رشیدی کا بھی ہے۔آپ کی تعلیم بریلی شریف میں ہوئی۔وہیں آپ استاذ مقرر ہوئے اعلیٰ حضرت کے برادر زادہ مولانا حسنین رضا خاں نے اپنے بچوں علامہ تحسین رضا خان (صدر العلما) اور علامہ سبطین رضا خاں (امین شریعت) کو تعلیم کے لئے آپ کے حوالہ کیا آپ نے بریلی شریف میں رہ کر ہی انہیں تعلیم دی۔بڑے پائے کے عالم اور صوفی صافی بزرگ تھے۔پھر آپ اپنے علاقہ پورنیہ تشریف لے آئے۔حضرت شاہ شاہد سبز پوش علیہ الرحمہ نے آپ کو سلسلہ رشیدیہ کی اجازت وخلافت سے نوازا۔تو دوسری طرف حضرت سید شاہ ایوب ابدالی علیہ الرحمہ نے سلسلہ فردوسیہ ابدالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔اس طرح ایک ذات میں بریلی شریف کی تعلیم، خانقاہ رشیدیہ کے فیوض اور خانقاہ ابدالیہ کی برکتیں اکٹھی ہوئیں۔ان تینوں سمندروں کے اتصال سے جو ذات بہرہ مند ہو وہ کیا ہوگی محسوس کرنے کی بات ہے۔

حضرت مولانا غلام یٰسین صاحب قبلہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے والہانہ محبت فرماتے ان کی کتابوں پر کلی اعتماد کرتے اور اس کا برملا اظہار کرتے۔چنانچہ ایک بار خواجہ علم وفن حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی سے آپ نے فرمایا کہ ''خواجہ صاحب! آپ تو دیکھ کر یا سن کر رضوی بنے ہیں ہم تو بن دیکھے بغیر سنے رضوی ہیں۔ہم تو اعلیٰ حضرت قدس سرہ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتے ہیں''

(کاملان پورنیہ جلد اول/ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی:ص ۳۱۹)

اسی سلسلہ کے مرید ومجاز مفتی محمد طیب رشیدی جو سالہا سال تک مولانا غلام یٰسین رشیدی کے سفر وحضر کے حاضر باش ہیں وہ ان کا طریقہ تبلیغ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت رشیدی صاحب قبلہ ہمیشہ سب کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مسلک کے مطابق اپنا عقیدہ صادقہ مضبوط ومستحکم رکھنے کی ہدایت فرماتے۔صوفیہ ومشائخ کے دعوتی مشن کے مطابق عوام وخواص کو مخاطب کرتے ہوئے مجدد دین وملت اعلیٰ قدس سرہ کی عقیدت ومحبت دل میں ڈالتے اور فرماتے کہ:

''اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنی کتابوں میں جو کچھ عقائد حقہ کے بارے میں فرمایا حق فرمایا ہے۔عقائد باطلہ سے دور رہنے اور باطل سمجھنے کو لکھا ہے صحیح فرمایا ہے''

(شیخ الاسلام: حیات ومکتوبات/ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی۔ص:۱۷۸)

اپنے مضمون کے اختتام پہ میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ خانقاہوں کا فیضان صرف خانقاہوں میں مقید نہ رہا بلکہ وہ درسگاہوں کے مکینوں تک بھی پہنچا اور اس طرح پہنچا کہ خانقاہ ودرسگاہ کی دوئی ختم ہوئی، اعتقادی ونظریاتی معاملات سے لے کر معمولات ومراسم تک سب ایک ہی نکتہ وحدت کے علم بردار رہے، مگر کیا ہمارا حال بھی ویسا ہے؟ ہم نے ان پاکیزہ رشتوں کو بحال رکھا ہے جو اسلاف کے درمیان تھا؟ کیا یہ ضروری نہیں کہ اپنے قدیم ماخذ کی طرف رجوع کر کے پھر اسے نئی توانائی کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے؟ شاید یہ ہر دل کی آواز، ہر نفس کی پکار ہو اور ہر فرد کی تشنہ آرزو ہے جو لفظوں کے پیکر میں ڈھل گیا ہے۔



حضرت سید شاہ ایوب ابدالی ایک بے مثال شخصیت

مولانا محمد تحسین ضیا فیضی: ادارہ لوح و قلم مظفر پور

صوبہ بہار میں سیکڑوں خانقاہیں آباد ہیں جن کی دعوتی تبلیغی روحانی اصلاحی اور مذہبی خدمات کا دائرہ صدیوں پر محیط ہے۔ یہاں بے شمار اولیاء، اقطاب، علماء، فضلاء اور صاحبان احسان وسلوک آرام فرما ہیں۔ جن کے فیوض وبرکات کا بادل ایک زمانے سے عالم اسلام پر برس رہا ہے۔ انہیں بزرگان دین اور محبوبان خدا کی انتھک کوششوں اور بے ریا کاوشوں سے پورے ہندوستان اور اس کے اطراف واکناف میں اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اگر داعیان حق وصداقت اور سرفروشان اسلام کی یہ نورانی جماعت نہ ہوتی تو ہندوستان کا مذہبی منظر کچھ اور ہی ہوتا انہیں بزرگوں نے بندگان خدا کی دینی تربیت رشد وہدایت اور اصلاح احوال کے لیے کئی مراکز قائم کیے۔ جو خانقاہ کی شکل میں ملک کے مختلف علاقوں میں آباد ہیں۔

انہیں میں سے ایک خانقاہ اسلام پور ضلع نالندہ بہار بھی ہے۔ جو عرصۂ دراز سے امت کی تطہیر قلب اور تزکیہ نفس کا کام انجام دے رہی رہے۔ جسے بہت پہلے حضرت حبیب اللہ قادری علیہ الرحمہ نے قائم کیا تھا۔ یہ خانقاہ اپنی تمام تر تعلیمات روحانی کے اعتبار سے ممتاز اور نمایاں نظر آتی ہے۔ اسی خانقاہ کے پروردہ ہیں۔ چودہویں صدی کے مشہور بزرگ حضرت سید مخدوم ابوالخیر موسیٰ ایوب ابدالی قدس سرہٗ۔

آپ کو قدرت نے علم وفضل سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا آپ بیک وقت عالم، زاہد، صوفی، واعظ، شاعر، ادیب اور کامل شیخ طریقت تھے۔ آپ کی شخصیت کا ہر پہلو روشن وتابناک ہے۔ آپ کے مریدین اور خلفاء میں وقت کے عظیم علماء فضلاء اور مسند نشینان خانقاہ شامل ہیں۔

آپ اپنی نانیہال خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ ضلع پٹنہ بہار میں ۲۰ رمحرم الحرام ۱۳۳۴ھ کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ آپ کا اسم مبارک موسیٰ تاریخی نام منظور حسین عرفیت ایوب، اور لقب شریف ابوالخیر ہے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے ابتدائی کتابیں شرح آداب المریدین، اور مثنوی مولانا روم اپنے والد ماجد سے پڑھی۔ فارسی اور مکتوبات صدی کی تعلیم سید شاہ محمد رفیق علیہ الرحمہ اور عربی کی ابتدائی تعلیم مولانا مشتاق احمد کانپوری سے حاصل کی۔ مولانا شیر علی مدھو پوری سے قدوری اور تفسیر قرآن کا درس لیا۔ شاہ عرفان اسلام پوری سے کلیات ونثر غالب اور کلیات بیدل تفسیر کے ساتھ پڑھی پھر خانقاہ اسلام پور ہی میں رہ کر سید عبدالاحد علیہ الرحمہ سے درس نظامی کی اہم اور منتہی کتابیں پڑھی، اخیر میں مولانا سخاوت علی علیہ الرحمہ سے حدیث کی تعلیم اور سند حاصل کی۔

اجازت وخلافت:

حضرت مخدوم شاہ محمد ایوب ابدالی قدس سرہٗ ۱۴ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت ابوالفیض احمد حسن عرف شاہ سید علی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر سلسلہ فردوسیہ دولتیہ میں مرید ہوئے اور طریقہ فردوسی کی تعلیم پائی آپ کے پیر ومرشد نے آپ کو اپنے تمام سلاسل کی اجازت وخلافت سے نوازا ان کے علاوہ سابق سجادہ نشیں خانقاہ اسلام پور حضرت مولانا سید شاہ حکیم حاجی محمد رفیق اور سید السادات حضرت مشہود الحق علی سبز پوش سجادہ نشیں خانقاہ رشیدیہ نے بھی اپنے تمام سلاسل اور اذکار واشغال کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اس طرح آپ کل انیس سلاسل کے مجاز و وارث تھے۔

آپ کے خلفاء:

(۱) آپ کے خلف اکبر اور جانشین حضرت سید مظفر حسین، المعروف ڈاکٹر محمد طیب ابدالی (۲) حضرت سید محمد شعیب ابدالی ،کراچی، (۳) حضرت سید شاہ طٰہٰ ابدالی، اسلامپور (۴) ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری پٹنہ (۵) حضرت سید شاہ مصطفےٰ علی سبز پوش، جونپور (۶) حضرت حکیم تجمل حسین ، پورنیہ، (۷) حضرت مفتی محمد انیس عالم، امین شریعت دوم سیوان (۸) شاہ ڈاکٹر محمد افضال ارریہ (۹) مولانا عبد الحکیم ازہری، کشن گنج (۱۰) سید عبد الشکور علیہم الرحمہ، سیوان

ان کے علاوہ بھی کئی افراد کو آپ سے اجازت و خلافت حاصل ہے لیکن طوالت کے خوف سے انہی مذکورہ افراد پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ذوق شاعری:

شعر و ادب کے ماحول میں پروان چڑھنے کی وجہ سے آپ کو بچپن ہی سے شعر ادب سے خاصا لگاؤ تھا۔ آپ کے دادا صوفی منیری قدس سرہٗ غالب کے شاگرد اور بلند پایہ شاعر تھے۔ آپ کے والد کو بھی شعر و شاعری سے کافی دلچسپی تھی، کامل تخلص رکھتے تھے۔ گویا آپ کو شاعری وراثت میں حاصل ہوئی تھی۔ آپ نے عرفان اسلامپوری سے اصلاح سخن لی، آپ کی شاعری پر تصوف کا رنگ غالب ہے۔ آپ کی زبان سادہ اور شستہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے مصرعوں میں بڑی بڑی باتیں کہہ گذرتے ہیں لیکن غالباً اب تک آپ کا دیوان منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ البتہ بیاض شاعری کے نام سے آپ کے دیوان کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ صاحب تذکرہ گرامی کے بیان کے مطابق ڈاکٹر احسان اللہ صاحب نے حضرت نیر ابدالی اسلام پوری حیات شخصیت اور شاعری کے عنوان پر ایک تحقیقی مقالہ لکھا ہے۔ جس پر انہوں نے مگدھ یونیورسیٹی سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری ملی ہے۔ بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ذرے ذرے میں مہر کا جلوہ
دیکھے جو صاحب بصیرت ہے

داغ دل اک بہار ہے گویا
دل نہیں لالہ زار ہے گویا
ان کی چالوں سے دامن محشر
چاک کیا تا تار ہے گویا
دل میں ہے خیال یار نیر
محو جمال دل رہا ہوں
صورت درد ہے کسی دل میں
درد دل کی کہیں دوا تو ہے

تصنیف و تالیف:

آپ کے محبوب مشاغل میں تصنیف و تالیف بھی تھا۔ حد درہ مسروفیت کے باوجود آپ کے قلم سے کئی مستند اور اہم کتابیں معرض وجود میں آئیں جو سادہ سلیس اور عام فہم زبان میں ہے۔ جن میں کچھ شائع ہو چکی ہیں اور کچھ تشنہ اشاعت ہیں جو مخطوطات کی شکل میں خانقاہ صوفیہ اسلام پور میں محفوظ ہیں۔ جن میں یہ کتابیں ہیں

السلاسل والاسانید، ترجمہ و حاشیہ عقائد شرفی، اذکار واشغال، تصوف و احسان، احوال سیدی وسندی سید کامل اسلام پوری، بیاض شاعری

وفات:

آپ کی وفات ۳؍رجب ۱۳۸۷ھ کو ہوئی۔ اور اپنے خاندانی مقبرہ والد گرامی قدس سرہ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ اس طرح ۶۳؍سال کی عمر میں احسان و سلوک و تصوف کا یہ درخشندہ ستارہ غروب ہو گیا۔ آپ کے بعد آپ کے مشن کی ترویج و اشاعت، قوم کی اصلاح اور رشد و ہدایت کا سلسلہ آپ کے فرزند اکبر اور آپ کے خلیفہ ومجاز ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی نے سنبھالا اور سچے جانشیں کی حیثیت سے ان کے افکار و خیالات کو فروغ دیا۔ اب ان کے جانشین اس ذمہ داری کو بحسن خوبی ادا کر رہے ہیں۔ خدائے پاک اس سلسلۃ الذہب کو سلامت رکھے۔ آمین۔



''دل تو اب ہم لگا چکے نیرؔ''

سید شاہ محمد ریان ابو العلائی
خانقاہ سجّادیہ ابوالعُلائیہ، داناپور شریف، پٹنہ

بہار کی سرزمین ہمیشہ سے مردم خیز رہی ہے نا جانے کتنے علم وادب اور فقر وتصوف کی شخصیت نے جنم لیا ہے انہیں میں ایک نام حضرت سید علیم الدین دانشمند گیسو دراز، شہر نیشاپور (ایران) سے منتقل ہو کر ہندوستان کے پرگنہ بہار شریف (ضلع: نالندہ) حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری ثم بہاری متوفی 782ھ سے شرف نیاز حاصل کر کے خلافت سے نوازے گئے تبھی سے یہ خانوادہ فردوسیت کے جامہ میں بندھ گیا زمانہ گزرتا گیا، وقت بیتتا گیا اور یہ لیجیئے بارھویں صدی ہجری کے درمیان اسی خانوادہ میں گل سرسبد حضرت سید شاہ ابو محمد جلیل حسنین عرف فرزند علی فردوسی المتخلص بہ صوفی منیری (متوفیٰ 1318ھ) کا تولد ہوا، بہار بھی علم وادب کا گہوارہ بنا، غالبؔ جیسا کہنہ مشق شاعر کا سہارا ملا، دیکھتے ہی دیکھتے محفل سخن کا دائرہ وسیع ہوا، حضرت سید شاہ امین احمد فردوسی ثباتؔ بہاری (متوفیٰ 1321ھ) اور حضرت سید شاہ محمد اکبرؔ ابوالعلائی داناپوری (متوفیٰ 1327ھ) کے درمیان حضرت صوفیؔ منیری جیسا بالغ النظر شاعر باکمال ملا اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، صاحبان ذوق وشوق خوب متاثر ہوئے مگر تیرہویں صدی ہجری کے درمیان یہ سب ستارے غروب ہو گئے مگر خلف الصادق کا سلسلہ بڑی شان وشکوہ کے ساتھ رواں دواں رہا۔ دو ہر دل عزیز سپوت حضرت مولٰینا سید شاہ عبدالقادر اسلام پوری اور حضرت سید شاہ علی فردوسی اسلام پوری نوراللہ مرقدہ اپنی گوناگوں صلاحیت وصلابت سے چھاپ چھوڑتے رہے بلکہ صاحبزادہ اکبر حضرت سید شاہ عبدالقادر سے علمائے اہل سنت کا ایک عظیم قافلہ متاثر رہا جن میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی کی ذات ممتاز نظر آتی ہے، مدرسہ حنفیہ (محلہ بخشی گھاٹ، پٹنہ سیٹی) کی تحریک جس وقت سرگرم عمل تھی ان میں آپ کی ذات مدرسہ کی صلاح وفلاح کے لئے پیش پیش تھی واضح ہو کہ کم عمری ہی سے مطالعہ حرز جاں رہا اس لئے تحریری ذخیرہ بھی چھوڑ گئے، ظاہری لیاقت وقابلیت کو دیکھتے ہوئے خانقاہ سجادیہ ابوالعلائیہ، داناپور شریف کے باکمال سجادہ نشیں تاج الاولیاء زینت سلسلہ ابوالعلائیہ حضرت سید شاہ محمد اکبر ابوالعلائی داناپوری قدس سرہ اپنی کتاب ''نذرِ محبوب'' میں آپ کی سرخی لگا کر رقمطراز ہیں کہ۔۔

> ''عزیز سراپا تمیز مولوی سید شاہ عبدالقادر سلمہ اللہ تعالیٰ، (اسلام پور، ضلع پٹنہ)
> یہ نور العین بزرگان دین جناب حضرت سید الواصلین سید شاہ ولایت علی قدس سرہ کے نواسے اور خلیفہ اور جانشین ہیں، ہر چند کم عمر ہے مگر آثار کرامت وسعادت بشرے سے ظاہر ہے، ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست
> الحمد اللہ کتب مختصرات درسیہ کی تحصیل قریب اتمام ہے، طلب علم باطنیہ کی درس میں مشغول ہیں، زاداللہ علماً واسعاً''

آمدم برسر مطلب۔ حضرت سید شاہ عبدالقادر ابوالعلائی کے برادر زادہ اور حضرت سید شاہ علی حسین فردوسی کے صاحبزادہ یعنی حضرت سید شاہ محمد ایوب ابدالی المتخلص نیرؔ اسلام پوری صوبہ

بہار کے علمی، دینی اور روحانی شخصیت کے مالک تھے، خانقاہی مزاج اور صوفیانہ خیال شروع سے رہا، طبیعت میں نفاست تھی اس لئے شائستگی کا مظاہرہ خوب جھلکتا، نورانی چہرہ، گندمی رنگ، آنکھیں موتی جیسی، خوبصورت جسم، شانہ پر بڑا رومال، خانقاہی کلاہ اور انگرکھا بڑا دیدہ زیب ہوتا۔ مکمل تعلیم خاندان کے بزرگوں کے علاوہ حضرت مولانا مشتاق احمد بن مولانا احمد حسن کانپوری اور حضرت مولانا سخاوت حسین کاکوی وغیرہ سے حاصل کی اس لئے جلد علم و عمل کے پیکر ہوئے ابتدائی زندگی ہی سے مریدان و معتقدان کو درس تدریس دینے میں مشغول و مامور ہوئے مکتوبات صدی اور عقائد شرفی کی تشریح وتوضیح بڑے سہل اور خوشنما انداز میں کرتے۔ واضح ہو کہ ''عقائد شرفی'' کا اردو ترجمہ آپ کی جانب سے منصۂ ظہوار میں آچکا ہے جو اپنے مرید خاص حکیم تجمل حسین (ضلع: کشن گنج) کی اصرار پر اُنیس فصل پر منحصر ہے، آخری فصل میں ایک عبارت ہے جو تصوف کا تفصیلی باب ہے ''مومن گناہ کی وجہ سے کافر ہوتا ہے یا نہیں'' فرماتے ہیں

''اور لوگوں نے کہا ہے کہ اتنی امید اپنے خدا
سے رکھنی چاہئے کہ اگر سات آسمان اور زمین بھر
گناہ رہے تو ناامید نہ ہو اور اگر سات آسمان و
زمین کے برابر اطاعت رکھے تو نڈر نہ ہو''

اسی طرح ''ذکر و فکر'' اور ''احسان و تصوف'' کے عنوان سے نایاب رسائل کے خالق و مالک ہیں زندگی کی آخری بہار تک اپنے اسلاف کے نقوش پر گامزن رہے۔ جی بہلانے کی خاطر طبیعت نے شاعری کی طرف مائل کیا۔ شروع میں اپنے والد سے اصلاح سُخن لینے لگے، پاکیزہ اور صوفیانہ شعر کہنے کے عادی ہوئے، سخنوروں کی محفل میں نیر تاباں ہوئے، وگرنا دل مطمئن خاطر کرنے کے لئے سلسلہ ابوالعلائیہ کی جذب و مستی کا غلبہ و دبدبہ خوب رہتا، عم مکرم سید شاہ عبدالقادر ابوالعلائی جیسے صاحب کیفیت بزرگ کی صحبت نے مزید اس آگ کو جلا بخشی دوران مجلس عشق و مستی کی کیفیت میں مست ہو کر چند اشعار قلمبند فرمائے،

ساقی بیار بادہ بنام ابوالعلاء
گرداں فلک بہ گردش جام ابوالعلاء
مطرب نواز نغمہ جشن جلوس شاہ
آراستہ ست بزم نظام ابوالعلاء
نازد بریں فلک منم زیر سایہ
ظل حضیض رفعت بام ابوالعلاء
نیّر دمے زنور برافلاک می زند
فیضے گرفتہ از درو بام ابوالعلاء

ان کے کلام میں دلی احساسات و جذبات اور ذہنی افکار و خیالات نمایاں طور پر منعکس ہیں، صوفیانہ مزاج میں اچھے شعر اختراع کرتے تھے، نیک صحبتوں سے اللہ نے وہ علم عطا فرمایا جس علم میں ادب تھا، احترام تھا اللہ اور اس کے رسول کا نام تھا اور زندگی کے ہر لمحے ہونٹوں پر درود و سلام تھا، غور طلب ہیکہ یہ کارواں یوں ہی چلتا رہا عمر کی آخری منزل سے جب گزرنے لگے تو سلسلہ کی اشاعت دامن گیر ہوئی تو مختلف جگہوں سے حلقہ ارادت مند داخل سلسلہ ہوتے چلے گئے جن میں مفتی نیپال مولانا انیس عالم قادری فردوسی (موضع دربھنگہ) حضرت شاہ احمد رضاؔ خاں کے تلمیذ اور حضرت مفتی اعظم ہند بریلی شریف کے مرید اور حضرت نیرؔ اسلام پوری کے خلیفہ ہوئے، ان کو ایک خلافت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا سے بھی حاصل تھی۔ علمائے اہل سنت کے مابین اتحاد و اتفاق کی روشن مثال ہیکہ مذکورہ علماء کے درمیان کس قدر الفت و محبت کا سنگم پایا جاتا تھا، یہی نہیں بلکہ حضرت مولانا ظفر الدین قادری بہاری جو حضرت فاضل بریلوی کے تلمیذ و خلافت یافتہ تھے حضرت والا کی صحبت کے مشتاق رہتے، بارہا آپ کی مجلسوں میں جلسہ کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اسی لئے

بقیہ صفحہ ۷۳ پر۔۔۔

حضرت شاہ ایوب ابدالی:
ایک نابغہ روزگار شخصیت

سید شاہ ابصار الدین بلخی فردوسی: خانقاہِ بلخیہ فردوسیہ، فتوحہ

دنیا میں بہت سی شخصیتیں ایسی بھی ہیں جن کی خدمات ان کی زندگی میں سامنے نہیں آتیں، دنیا سے رخصت ہونے کے بعد مزید اسرار کھلتے اور دنیا ان سے مستفیض ہوتی ہے، اسکی وجہ شاید یہ ہو کہ اس عہد میں اہل شناسا نہیں ہوتے یا ایسی شخصیتیں اپنے کارناموں کے اظہار سے بے نیاز ہوتی ہیں، وہ اپنے نصب العین میں اتنی منہمک و مستغرق ہوتی ہیں کہ انہیں اپنی قدردانی کی پرواہ نہیں ہوتی، انہیں صرف اپنے مقصد کے تکمیل کی فکر ہوتی ہے، ایسی ہی ایک شخصیت کا نام ہے حضرت مخدوم سید شاہ ابوالخیر موسیٰ المدعو محمد ایوب ابدالی نیر فردوسی اسلامپوری جو عرف عام میں شاہ ایوب ابدالی کے نام سے مشہور ہوئے، آپ کی ولادت 20 محرم الحرام 1324ھ کو خانقاہ بلخیہ فردوسیہ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد شاہ سید علی کامل اسلام پوری سے حاصل کی، آپ کے والد صوفی اجل فرزند علی صوفی منیری کے چھوٹے بیٹے تھے، اس لحاظ سے حضرت صوفی منیری آپ کے اپنے دادا ہوئے، آپ اپنے والد ماجد سے ہی طریقہ فردوسیہ میں بیعت ہوئے، والد ماجد سید علی کی قناعت مندی کا یہ عالم تھا کہ طلوع آفتاب کے بعد اور دوسرے غروب آفتاب کے بعد پتلی پتلی چپاتیاں اور اسکے ساتھ کچھ مل جائے تو کھا لیتے، اکثر ایسا بھی ہوا کہ ترکاری میں نمک زیادہ پڑ گیا یا پڑا ہی نہیں پھر بھی آپ خاموشی سے خدا پر توکل کر کے کھا لیتے اور کچھ ذکر نہ کرتے اور کھانے کے بعد لوگ غلطی کی طرف اشارہ کرتے کہ نمک کم تھا تو لاعلمی کا اظہار کرتے، آپ کی مقدس زندگی زہد و قنایت مندی کا مکمل نمونہ تھی، حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری سے آپ کو ایسی والہانہ عقیدت تھی کہ گرمی کے دنوں میں جب لوگ سو رہے ہوتے تو آپ درگاہ مخدوم جہاں کے لئے روانہ ہو جاتے اور کسی کو خبر تک نہ ہوتی کہ آپ روانہ ہو چکے۔

شاہ ایوب ابدالی کو عقیدت مخدوم جہاں ورثہ میں اپنے باپ سید علی سے ہی ملی تھی، آپ کا پدری نسب نامہ سید علیم الدین گیسو دراز نیشاپوری سے جا ملتا ہے جن کا شمار حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں ہوتا ہے، مشہور روایت کے مطابق جب آپ کے جد اعلیٰ سید علیم الدین گیسو دراز نیشاپوری حضرت مخدوم جہاں کے حجرے میں تشریف لے جاتے تو حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کھڑے ہو جاتے، جب کسی سائل نے حضرت مخدوم جہاں سے اس کی وجہ دریافت کی تو حضرت مخدوم نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ سادات ہیں، اس لئے ملحوظ تعلیم کی خاطر کھڑا ہو جاتا ہوں، حضرت سید علیم الدین گیسو دراز نیشاپوری تک آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے۔

سید شاہ ایوب ابدالی بن سید علی کامل اسلام پوری بن سید شاہ فرزند علی صوفی منیری بن سید محمد علی بن سید احمد علی بن سید غلام مرتضیٰ بن سید جہانگیر بن سید سدام بن سید دیوان فخر الدین بن سید شہاب الدین بن سید احمد بن سید جہانگیر بن سید محمد بن سید علیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری (خلیفہ حضرت مخدوم جہاں)، (حوالہ نسب نامہ قدیم مخطوطہ 1133ھ مکتوب حضرت

غلام مرتضیٰ ابدالی، ذریعہ دولت) اس نسب نامہ کو آپ کے فرزند اکبر سید شاہ طیب ابدالی نے اپنی کتاب حضرت صوفیؔ منیری کے نثری کارنامے میں بھی نقل کیا ہے جس میں انہوں نے اپنے خاندان کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔

سید شاہ ایوب ابدالی کے نام میں ابدالی ہونے کی وجہ تسمیہ کو آپ کے فرزند اکبرو جانشین سید شاہ طیب ابدالی نے اپنی کتاب صوفیؔ منیری کے نثری کارنامے میں بیان کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ''جب یہ خاندان نیشاپور منتقل ہوا تو پھر آپ (جعفر نیشاپوری) کی اولاد میں سے حضرت سید السادات علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپوری حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے عہد میں بہار تشریف لائے اور حضرت مخدوم جہاں سے مرید ہوئے اور مجاز و خلیفہ ہو کر مراجعت کی، سید علیم الدین گیسودراز دانشمند نیشاپوری کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد فردوسی کی شادی مخدوم شاہ بدرالدین بدر عالم زاہدی کی بیٹی ولیہ باکمال حضرت بی بی ابدال سے ہوئی اسی نسبت سے آپ کی اولاد ابدالی کہی جاتی ہے۔

(حوالہ: صوفی منیری کے نثری کارنامہ صفحہ 32)

آپ کی والدہ بی بی وجیہن بنت سید شاہ غلام مظفر بلخی ایک بزرگ اور پارسا عورت تھیں جن کی پارسائی کے قصے پورے اسلام پور و فتوحہ میں مشہور تھے، عم محترم شاہ رازی ابدالی نے اپنی پردادی بی بی وجیہن کا ذکر اس خاکسار سے کرتے ہوئے کہا کہ '' آپ (بی بی وجیہن) نے پوری زندگی میں کبھی تہجد کی نماز نہ چھوڑی جبکہ ان کا انتقال 85 سال کی عمر میں ہوا تھا، آپ کی آواز میں بہت نرمی تھی کبھی اونچی آواز میں کسی سے کلام نہیں کیا، ان کی پارسائی کا شہرہ پورے اسلام پور میں تھا، میرے والد محترم اپنے والد شاہ ایوب ابدالی کے بارے میں کہتے تھے کہ جب شاہ ایوب ابدالی سفر کے لئے کہیں جاتے تو پہلے اپنے والدہ بی بی قدیرن کا پیر چومتے تھے اور اس کے بعد ہی سفر کے لئے روانہ ہوتے اور جب سفر سے گھر واپس آتے تو بھی پیر چومتے، جب بی بی وجیہن (میری پردادی) کا انتقال ہوا، (وہ وقت رات کا تھا) تو پوری مچھڑ دانی میں قرآن کی آیت خود بخود لکھا گئی۔

(بیان زبانی: عم محترم سید شاہ رازی ابدالی خلف سید شاہ طیب ابدالی)

اسی ولیہ کی تربیت میں رہکر شاہ ایوب ابدالی پلے بڑھے اور جواں ہوئے، حدیث پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں ماں کی اتنی فضیلت بیاں کی گئی کہ ماں کو دیکھنا بھی عبادت ہے تو پھر ماں کے قدموں کو بوسہ دینے کا کیا عالم ہوگا، آپ نے اپنے نانا جان سید شاہ غلام مظفر بلخی فردوسی (سجادہ نشیں: خانقاہِ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ) سے تو تعلیم و تربیت نہ پاسکے کیوں کہ آپ کی ولادت کے صرف نو دن بعد ہی آپ کے نانا جان شاہ غلام مظفر بلخی کا انتقال ہو گیا، بی بی وجیہن بنت سید غلام مظفر بلخی نسباً بلخی اور مشرباً فردوسی تھیں، اس لئے بیٹے ایوب کو وہی سکھایا اور پڑھایا، کہتے ہیں کہ ماں کی گود بچے کی پہلی درسگاہ ہوتی ہے اسلئے یہ بات کہنا غلط نہ ہوگا کہ شاہ ایوب ابدالی کی شخصیت کو نکھارنے میں ان کی والدہ بی بی وجیہن کا بڑا ہاتھ تھا حضرت شاہ ایوب ابدالی کا مادری نسب بلخی ہے یعنی آپ اپنے ننیہال کی طرف سے بلخی ہیں، آپ کے نانا جان سید شاہ غلام مظفر بلخی فردوسی اپنے زمانہ کے صوفی وقت تھے، آپ کی خدا ترسی کی مثالیں فتوحہ میں عام تھیں، وصال کے چند ماہ قبل اپنے کل برادری والوں، متوسلین و مریدین سے ملاقاتیں کئیں، اور آستانہ پاک پر حاضری دی، ملاقات کے وقت سبھوں سے یہ کہا کہ یہ میری آخری ملاقات ہے اور جن لوگوں تک خود نہیں پہنچ سکے انہیں خود مکان پر بلوا کر ان سے ملاقاتیں کیں، آپ کے انتقال کے وقت فتوحہ درگاہ میں سوگواروں کا ایک بڑا ہجوم تھا، فتوحہ جیسے چھوٹے دیہی خطے میں اس کثیر مجمع کو دیکھ کر مقامی اہل فتوحہ حیرت زدہ تھے، ایک عجیب کرامت جو اس دن بعد تدفین بھرے مجمع کے سامنے ظاہر ہوئی وہ آسمان سے قبر مبارک پر پھول کی بارش تھی، چنانچہ بعض لوگوں نے جب اُسے چننا چاہا تو ناکامیاب رہے اور پھول و پنکھڑی

نچھاور ہونے کے بعد دیکھتے دیکھتے اسی طرح غائب بھی ہو گئے دیکھنے والے کی کیا حالت تھی اور خصوصاً شاہ مبارک صاحب رئیس ڈیانواں کا رہ رہ کر بے بکانہ نعرہ لگاتے ہوئے یہ کہنا کہ ''واہ بھائی مظفر مرنے کے بعد اپنے کو ظاہر کرتے ہو''

(حوالہ: خودنوشت قلمی حکیم شاہ تقی حسن بلخی)۔

آپ کا انتقال 29 محرم الحرام 1324ھ مطابق 1905ء کو بوقت صبح 9 بجے دن کو ہوا اور تدفین فتوحہ خانقاہ کے خاندانی قبرستان میں ہوئی۔

سید شاہ ایوب ابدالی کی والدہ بی بی وجیہن کے اندر یہ پارسائی اپنے والد سید شاہ غلام مظفر بلخی اور دادا قطب العصر امام زماں سید شاہ علیم الدین بلخی کی طرف سے ہی آئی جو مادری نسب سے ہوتے ہوئے آپ تک پہونچی آپ کی والدہ بی بی وجیہن کا نسب نامہ سید شاہ مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی فردوسی سے جاملتا ہے، جو کہ اپنے چچا و مرشد کامل حضرت مولانا مظفر بلخی فردوسی (خلیفہ و جانشیں حضرت مخدوم جہاں) کے انتقال کے بعد مسند سجادگی حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری پر جلوہ افروز ہوئے، حضرت مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی کی شخصیت فنافی المخدوم کی عظیم مثال ہے، اسلئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص مخدوم حسین کی چوکھٹ پر کسی مشکل کے وقت عرضی لگائے اور اس کے بعد مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر بس یہ کہہ دے کہ حضور مخدوم حسین کی بارگاہ سے رہا ہوں، میری درخواست سن لی جائے تو درخواست بارگاہ مخدوم جہاں سے مقبول ہو جاتی ہے، اپ کی گراں قدر تصنیف میں ''حضرات خمس'' جو عربی میں تصوف پر برصغیر ہند و پاک میں پہلی کتاب تسلیم کی جاتی ہے شاہ ایوب ابدالی کی والدہ بی بی وجیہن سے مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی کا نسب نام ملاحظہ ہو،

سیدہ بی بی وجیہن بلخی بنت سید شاہ غلام مظفر بلخی بن سید شاہ علیم الدین بلخی بن سید شاہ محمد تقی بلخی بن سید شاہ غلام معز بلخی بن سید برہان الدین بلخی بن سید شاہ علیم الدین بلخی بن سید شاہ نور محمد بلخی بن سید شاہ دیوان دولت بلخی بن سید شاہ فرید بلخی بن سید شاہ جیون بلخی بن سید شاہ حافظ بلخی بن سید شاہ ابراہیم سلطان بلخی بن سید شاہ مخدوم احمد لنگر دریا بلخی بن سید شاہ مخدوم حسن جشن دائم بلخی بن سید شاہ مخدوم حسین نوشہ توحید بلخی (خلیفہ و جانشین حضرت مخدوم جہاں)

(حوالہ سفینہ قلمی از سید شاہ تقی حسن بلخی و سید شاہ ایوب ابدالی)

شاہ ایوب ابدالی نے ابتدائی تعلیم تو اپنے والد سید علی کامل اسلام پوری سے حاصل کی جن کے بارے میں ان کے بڑے بیٹے و جانشین شاہ طیب ابدالی نے اپنے والد شاہ ایوب ابدالی کی خودنوشت سے نقل کیا ہے لکھتے ہیں ''کہ ابتدائی کتابیں حضرت ابی وسیدی والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ابتداء تا انتہا پڑھا، علم تجوید سید عبدالطیف علیہ الرحمہ سے حاصل کی 1333ھ میں دارالعلوم رنگیاں کانپور میں مولٰینا مشتاق احمد بن مولانا حسن کانپوری رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی عربی کتابیں پڑھیں، پھر دو سال کے بعد واپس ہوئے اور اسلام پور میں مولانا شیر علی رحمۃ اللہ علیہ ساکن مدھو پور جھا جھا سے قدوری اور تفسیر قرآن پڑھا، مولانا سید عبدالاحد ابن سید احمد علیہ الرحمہ سے متعلق تین برسوں تک خانقاہ اسلام میں تعلیم حاصل کی، مجموعہ میزان منطق، میر قات تہذیب، خلاصۃ الکیدانی، غُنیۃ الطالبین، تاریخ الخلفاء، تاریخ ابوالفدا محرقہ جلال الدین سیوطی، ہدایہ، مشکوٰۃ المصابیح، سنن ابی داؤد، ترمذی شریف، بخاری شریف، تفسیر مدارک، حدائق الانظار (امیر خسرو)، منطق الطیر (مصنفہ عطا) پڑھی، حضرت مولانا محمد رفیق علیہ الرحمۃ سے مکتوبات صدی اور اپنے والد ماجد سے شروح آداب المریدین مصنفہ حضرت مخدوم جہان رحمۃ اللہ علیہ اور مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اور استاذی شاہ اکرام الدین عرفان آسلام پوری سے کلیات ونثر غالبؔ اور کلیات بیدلؔ شرح و بسط کے ساتھ پڑھی، حضرت مولانا سخاوت حسین ساحب موضع کاکو ضلع گیا سے حدیث کی تعلیم اور سند حاصل کی (حوالہ خودنوشتہ شاہ ایوب ابدالی مملوکہ شاہ طیب ابدالی و تذکرہ گرامی از ذکی ہاشمی ایوبی)۔

آپ کے دادا جان فرزند علی صوفیؔ (تلمیذ خاص غالبؔ) ایک بلند پایہ شاعر تھے جن کے تبحر علمی کا شہرہ پورے ہندوستان میں تھا، آپ کو بچپن ہی سی شاعری کرنے کا بہت شوق تھا اس لئے بعد میں اسی شوق کو کمال تک پہنچانے کے لئے غالب سے شاعری میں اصلاح لینے گئے، غالب آپ کے دادا صوفیؔ منیری کا ذکر کرتے ہوئے بڑے ادب و احترام سے لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''زبدۂ اولاد حضرت خیر الانام قبلہ و کعبہ مجموعہ اہل اسلام حضرت پیر و مرشد مقام کی خدمت میں فقیر غالب کی بندگی مقبول ہو'' (خط بنام صوفیؔ منیری نقل شاہ ایوب ابدالی مملوکہ خانقاہ بلخیہ فردوسیہ)۔

شاہ ایوب ابدالی کو بھی اپنے دادا جان فرزند علی صوفیؔ کی طرح بچپن سے ہی شعر گوئی کا شوق تھا، آپ کے شعر میں حقیقت کی غمازی کے ساتھ ساتھ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم و محبت اہل بیت کا پہلو نمایا نظر آتا ہے، آپ کی شاعری اکثر فکری ہوا کرتی تھی، برمحل شعر کہنے پر آپ کو کمال حاصل ہے، جس کی ایک بہترین مثال ملاحظہ ہو،

فرط غیرت سے گرا چاند زمیں پر دیکھو
قرب کی آنکھ کا تارا وہ سر بام آیا
کیا حسیں نام ہے تیرا کہ جب آیا لب پر
آ گیا صلِ علی بھی وہیں جب نام آیا

(حوالہ: تذکرہ گرامی از ذکی احمد ہاشمی ایوبی)

جب عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بام عروج پر ہوا انکھوں نے اس شرف کی آرزو کی تو آپ نے حج بیت اللہ کے لئے جانے کا قصد کیا مگر شومیٔ قسمت کے والد ماجد سید علی علیہ رحمہ و رضوان کی طبیعت خرابی کی وجہ کر آپ حج بیت اللہ کے لئے نہ جا سکے اور آپ کی جگہ آپ کے چچاز اد بھائی سید یحییٰ ابدالی حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہو گئے، حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری بھی اپنی والدہ بی بی رضیہ کی علالت کی وجہ کر حج ظاہری نہ کر سکے اس لئے یہ بھی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ بھی ان کے پیش نظر ضرور رہا ہوگا، کیوں کہ آپ ہر پہلو سے حضرت مخدوم جہاں کے آئینہ دار تھے، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جہاد جیسے فرض پر والدین کی خدمت کو مقدم رکھا اور جب ایک سائل (صحابی) نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد پر جانے کی اجازت طلب کی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تمہاری والدہ حیات سے ہیں جاؤ ان کی خدمت کرو۔

شاہ ایوب ابدالی حج کے لئے تو نہیں جا سکے مگر ایک نعت نذرانہ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم لکھ کر رسالت پناہ کے نام سے لوگوں کے حوالہ کر دی کہ وہ اسے جالی روضہ اطہر کے اندر ڈال دی جائے چنانچہ 20 محرم الحرام 1356ھ کو روضہ انور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک مسجد نبوی کے محافظ کے ذریعہ ڈال دی گئی۔ اس نعت کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

فائز عرش برینی یا رسول
کعبہ روئے زمینی یا رسول
فائز عرش بریں ہو یا رسول
کعبہ روئے زمیں ہو یا رسول
تو غریباں را معینی یا رسول
حال ماتا کے سنہ بینی یا رسول
تم غریبوں کے معین ہو یا رسول
میری حالت کے قریں ہو یا رسول

(حوالہ: بہار میں اردو کی نعتیہ شاعری)

آپ کے خلفاء کی طویل فہرست ہے لیکن خاص خلفاء میں حضرت ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری بھی تھے جو اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان بریلوی کے مرید و مجاز تھے، شاہ ایوب ابدالی سے آپ کو والہانہ درجہ کی محبت و عقیدت تھی چنانچہ حسب وصیت آپ کا نماز جنازہ آپ کے مرشد شاہ ایواب ابدالی نے پڑھائی۔ شاہ ایوب ابدالی نے حضرت ملک العلماء ظفر الدین بہاری کو سلاسل اسانید کی اجازت و خلافت کتابی شکل میں مرحمت فرمائی تھی جس کو ان کے بیٹے نے آزاد لائبریری میں محفوظ کروا دیا ہے مولانا ظفر الدین بہاری کی شخصیت نابغہ روزگار ہے، مختلف علوم پر ملک العلماء کو کامل عبور تھا۔

شاہ ایوب ابدالی سے مفتی اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا

خان (خلف امام احمد رضا خاں) بھی بڑی عقیدت رکھتے تھے چنانچہ جب شاہ طیب ابدالی (خلف اکبر شاہ ایوب ابدالی) بریلی کسی ضروری کام کے سلسلہ میں تشریف لئے گئے وہاں آپ کی ملاقات مفتی اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خاں سے ہوئی، شاہ طیب ابدالی کہتے ہیں کہ میں جب ان سے ملا تو کافی ضعیف ہوچکے تھے مگر رنگ بہت صاف اور خوبصورت تھا۔ مفتی اعظم مسند لگائے بیٹھے تھے اور بہت سارے اہل علم ان کے آس پاس بیٹھے علمی گفتگو کر رہے تھے، شاہ طیب ابدالی کہتے ہیں کہ میں بھی وہیں بیٹھا تھا کہ حضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور کچھ بات کرتے ہوئے ان سے پوچھا کہ شاہ ایوب ابدالی کو جانتے ہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں ان کا فرزند اکبر ہوں، مفتی اعظم نے جب یہ بات سنی تو آپ ایک حال طاری ہوگیا، اور آپ فوراً اپنی مسند سے اتر گئے اور مجھ کو گدی پر بیٹھا دیا اور کہا کہ آپ کی جگہ یہ گدی ہے اور جہاں آپ کھڑے تھے یہ میری جگہ ہے۔

آپ کے فرزند اکبر و جانشین شاہ طیب ابدالی اپنی کتاب ''اردو میں صوفیانہ شاعری'' میں اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے علم اور صوفیت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب اگر ایک طرف عالم متبحر، صوفی باصفا، مجدد وقت کی حیثیت سے مشہور ہیں تو اردو شاعری کی حیثیت سے بھی آپ کا مرتبہ کم نہیں، اردو شاعری میں نعت گوئی کو جو عروج و کمال حاصل ہے وہ آپ ہی کا مرہون منت ہے، آپ کی نعت میں عشق رسول کے ساتھ ساتھ جو والہانہ انداز ہے وہ محتاج بیاں نہیں۔

(حوالہ اردو میں صوفیانہ شاعری از ڈاکٹر محمد طیب ابدالی)

خاندان اعلیٰ حضرت نے ہمیشہ ہی سادات کرام خصوصاً خانقاہوں کے سجادگان کی عزت وعظمت کا اعتراف کیا ہے، اور ان سے اپنے قلبی تعلق کو ہمیشہ بیان کرتے آئے ہیں، احترام رسالت صلی اللہ علیہ وسلم و احترام سادات کو سکھایا ہے، اس بات کی وضاحت اعلیٰ حضرت کے اس شعر سے بھی خوب ہوتی ہے، شعر ملاحظہ ہو،

تیری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی کی تصنیفات میں احسان و تصوف، ترجمہ عقائد شرفی، ذکر و فکر، سلاسل والاسانید، احوال سید علی کامل اسلامپوری (والد ماجد شاہ ایوب ابدالی) اور انساب پر بھی ایک مکمل کتاب ہے، ان کی تصنیفات میں سے متعدد کتابیں عم محترم شاہ رازی ابدالی کی کوششوں کی وجہ سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔

سید شاہ ایوب ابدالی کا انتقال 3 رجب 1387 کو اسلام پور میں ہوا اور تدفین اپنے خاندانی قبرستان میں اپنے والد سید علی کامل اسلام پوری کے بغل میں ہوئی۔ آپ کے رحلت کی قطع تاریخ ڈاکٹر سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ کے اس شعر سے نکلتی ہے:

داد رضوان ندا چوں در باغ بہشت
بلبل خلد بریں ''شاہ محمد ایوب''

1387ھ

(چہل قطعہ تاریخ پروفیسر طلحہ رضوی برق)

آپ کے انتقال کے بعد آپ کے فرزند اکبر شاہ طیب ابدالی ہوئے، جو آپ کے بعد مسند سجادگی جوان کے خاندان میں پشتوں سے چلی آرہی تھی، فائز ہوئے۔ آپ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، سادگی و خداترسی کا آپ اعلیٰ نمانہ تھے، اخلاق اتنا اعلیٰ کہ جو شخص بھی آپ سے ملتا آپ پر فریفتہ ہوجاتا، شاہ طیب ابدالی نے کئی کتابیں لکھیں جو کہ منظر عام پر آچکی ہیں، 2007ء میں آپ کے انتقال کے بعد آپ کے چھوٹے لڑکے عم محترم سید شاہ شہاب الدین ابدالی مسند سجادگی پر فائز ہوئے جواب تک اپنی خاندانی روایت جوان کو ان کے بزرگوں سے ملی ہے بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، عم محترم سید شاہ شہاب الدین ابدالی صورت ایوبی کی مانند نیک ہیں، جن کو دیکھ کر شاہ ایوب ابدالی کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، خاکسار کے ساتھ ان کی شفقتیں و محبتیں شامل حال رہی ہیں جو اس کمترین کے لئے ہمیشہ باعث فخر ہے۔



تصوف آہنگ تصوف اور نیر اسلام پوری کی شاعری

از سید شاہ طیب ابدالی

حضرت نیرؔ ابدالی اسلام پوری اپنے خاندانی اور روحانی اعتبار سے صوفی باصفا بھی تھے اور شاعر بلند پایہ بھی۔ آپ حضرت صوفی منیری کے چھوٹے صاحبزادے شاہ سید علی کامل اسلام پوری کے بڑے صاحبزادے تھے۔ دادا بھی صوفی شاعر تھے اور والد بھی۔ اس لیے یہ ذوق شعری اپنے بزرگوں سے وراثتاً ملی تھی۔ آپ کا اسم شریف محمد ایوب ابدالی اور تخلص نیر ہے۔ آپ اپنی نانہال خانقاہ بلخلیہ فردوسیہ فتوحہ ضلع پٹنہ میں ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام منظور حسین ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔ اس کے بعد حضرت مولانا محمد رفیقؒ کے زیر تعلیم رہے۔ ۱۳۳۴ھ میں مدرسہ دارالعلوم محلہ رنگیاں کانپور میں مولانا مشتاق احمد ابن مولانا احمد حسن کانپوری سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ آخر میں آپ نے مولانا سخاوت حسین سے علم حدیث حاصل کیا۔ اور سند بھی حاصل کی۔

(مولانا سخاوت حسین مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے شاگرد تھے۔) اور حضرت مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی کے مرید وخلیفہ۔ آپ کو فن حرب وضرب کا جب ذوق پیدا ہوا تو مولانا سید سلیمان ندوی کے والد حضرت حکیم ابوالحسن سہروردی سے یہ فن سیکھا۔ (حکیم ابوالحسنؒ حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوری کے مرید ومجاز تھے اور فن شمسیر زنی میں رستم خان لکھنوی کے شاگرد کے شاگرد تھے۔) آپ اپنے والد و مرشد کے مرید و مجاز تھے۔ آپ میں شاعری کا فطری ذوق تھا۔ حضرت عرفان اسلام پوری سے مشورۂ سخن کرتے اور ان کے تلامذہ میں آپ کو شاگرد رشید تسلیم کیا جاتا اس لئے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ عرس کے بعد مشاعرہ کے لئے جو مصرع کے لئے جو مصرعہ طرح دیا گیا اس میں استاد اور شاگرد دونوں کا شعر بالکل زبان وخیال کے اعتبار سے مشابہ ہوجاتا۔ اصلاح کے وقت عرفاں اسلام پوری کہتے کہ جو شعر آپ نے کہا ہے وہی میں نے بھی کہا ہے اور اس کے بعد اس کو سناتے۔ نیر اسلام پوری اگرچہ غالب اسکول کے پروردہ تھے۔ اس لئے کہ آپ کے دادا حضرت صوفی منیری غالب کے شاگرد تھے لیکن اپنے استاد عرفاں اسلام پوری کے رنگ وآہنگ کی وجہ سے داغ دہلوی کا انداز زیادہ چھا گیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ بہار میں اس عہد میں داغ کے شاگردان کی تعداد زیادہ تھی اس لئے زبان وبیان میں وہی رنگ مقبول تھا۔ لیکن نیر کا جو صوفیانہ مزاج ہے اس کے اعتبار سے ان کی شاعری میں تصوف کا رنگ وآہنگ غالب رہا۔ نیر کی غزلوں میں تغزل کا رنگ تو ہے ہی لیکن تقریباً تمام غزلوں میں تین چار اشعار تصوف کے بھی صاف جھلکتے ہیں۔ عمر والی رحمت کا تیور اس شعر میں دیکھئے۔

حشر میں کون ہے بڑھتا دیکھوں
یہ گناہ میرے کہ رحمت تیری

اور اس شعر کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

اے خدا ہم کو نہ رکھ اپنے کرم سے محروم
زندہ بس ایک تیرے امیدِ کرم پر ہم ہیں

زور قضا اور تسلیم و رضا کا حصہ تصوف میں نمایاں ہے۔ نیر کو اس رنگ میں دیکھیے۔

تدبیر کروں وصل کی اب کیا میں الٰہی

بندہ کا تو چلتا نہیں کچھ زور قضا سے
بے چین ہوں یارب میں غم و رنج و بلا سے
کچھ حصہ تو دیدے مجھے تسلیم و رضا سے

عشق حقیقی تصوف کا ایک اہم نکتہ ہے جس پر گویا صوفیانہ شاعری کی بنیاد ہے۔

فارسی شاعری میں تو اس موضوع پر نہ جانے کتنے انداز میں اشعار کہے گئے ہیں اردو غزل بھی اس سے محروم نہیں ہیں۔ نیر نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان کے انداز کا اچھوتا پن ملاحظہ کیجئے۔

کیا دل نہ ہو جس میں تمنائے محبت
کیا سر ہے اس میں نہ ہو سودائے محبت
کونین کی قیمت سے فزوں کیوں نہ وہ دل ہو
ہو جلوہ فگن جس میں تجلائے محبت
اولیں شرط عاشقی یہ ہیں
جان دینے کو ابتدا جانیں

اب نیر کی اس غزل میں تصوف کی چاشنی ملاحظہ کیجئے۔

الفت میں تیری جو مر گیا ہوں
آپ اپنے میں درد کی دوا ہوں
کیا چاہوں بجز تیرے الٰہی
بس تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں
بس ایک یہی ہے جرم میرا
سو جان جان سے آپ پر فدا ہوں
گو تیری رہِ طلب میں جوں خاک
میں سرمۂ دیدۂ صبا ہوں
دل میں ہے خیال نیر
میں محو جمال دلربا ہوں

نیر کی دوسری غزل بھی ملاحظہ کیجئے جس میں آہنگِ تصوف بھی ہے اور رنگِ تغزل بھی ہے۔

کون کس کا ہے کس کو الفت ہے
اپنے مطلب کی ساری خلقت ہے
کوئی للہ مجھ کو یہ تو بتلائے
ان سے ملنے کی کوئی صورت ہے
ہم دمو! کیا کہوں میں حال اپنا
کچھ نہ پوچھو جو میری حالت ہے
ذرے ذرے میں مہر کا جلوہ
دیکھے جو صاحب بصیرت ہے
وہ کرم تو کریں گے کیا مجھ پر
یاد رکھیں یہی غنیمت ہے
ہے یہی کارخانۂ عالم
کہیں غم ہے کہیں مسرت ہے
قیدِ دنیا سے ہم ہوئے جو رہا
اے اجل یہ تری بدولت ہے
حشر میں وہ منا رہے ہیں مجھے
عید سے بڑھ کے یہ قیامت ہے
دل اب تو ہم لگا چکے نیّر
آگے اللہ کی مشیت ہے

حضرت نیر اسلام پوری کا وصال ۳ ؍رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو اسلام پور ہی میں ہوا اور وہیں اپنے والد اور پیر و مرشد حضرت سید علی کامل اسلام پوریؒ کے بغل میں مدفون ہوئے۔

آپ کا عرس ۳؍رجب المرجب کو ہر سال ہوا کرتا ہے، جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے متوسلین شریک عرس ہوتے ہیں۔

آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔

☆☆☆



نیرؔ اسلام پوری کی شاعری میں تصوف کے عناصر

پروفیسر ابوعبیدہ ابدالی
سابق صدر شعبہ اردو بھاگلپور یونیورسیٹی

اردو کی ادبی دنیا میں نیرؔ اسلام پوری کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ نہ صرف اسلام پور کے بلکہ بہار کے ایک ممتاز غزل گو شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ یوں تو انہوں نے اردو کی مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور اپنی جولانئ طبع کا مظاہرہ کیا ہے لیکن ان کی شہرت عام بقائے دوام غزل گوئی کی وجہ سے ہے اور خصوصیت کے ساتھ صوفی غزل گو شاعر کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہیں۔

نیرؔ خانقاہ صوفیہ اسلام پور کے سجادہ نشین تھے اور اپنے والد ماجد حضرت سید شاہ سید علی کاملؔ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ مسلک ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے صوفی و صافی تھے۔ نیرؔ کو حضرت شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری سے غایت درجہ عقیدت و محبت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ تا حیات اسی روش اور مسلک کی پیروی کرتے رہے اور اپنے کلام میں صوفیانہ افکار و خیالات کو پیش کرنے کی سعی بلیغ کی ہے۔

آپ کا نام محمد ایوب اور نیرؔ تخلص ہے۔ آپ اپنی نانیہال خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ ضلع پٹنہ میں ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت سید علی کاملؔ اسلام پوری کے فرزند ارجمند اور حضرت فرزند علی صوفیؔ نیری کے پوتے ہیں۔ حضرت سید علی اور حضرت صوفی منیری تلمیذ غالبؔ دہلوی دونوں صوفی شاعر کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ صوفی منیریؔ کی شہرت نہ صرف بہار میں بلکہ ہندوستان گیر سطح پر ہے۔ صوفی منیریؔ نہ صرف غالبؔ دہلوی کے شاگرد رشید تھے بلکہ خود غالبؔ نے انہیں عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور عقیدت و محبت سے اپنے مکاتب میں پیر و مرشد کے لقب سے نوازا۔

نیرؔ اسلام پوری نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سید علی کاملؔ اور سید محمد مولانا رفیق سے حاصل کی۔ مزید حصول تعلیم کے لئے مدرسہ دارالعلوم محلہ رنگیاں کانپور میں مولانا مشتاق احمد سے عربی کی کتابیں پڑھیں اور مولانا سخاوت حسین سے علم حدیث کی سند حاصل کی۔

نیرؔ اسلام پوری ایک صاحب علم و فضل بزرگ تھے اس کے علاوہ وہ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ آپ میں شاعری کا ذوق فطری تھا۔ وہ عرفانؔ اسلام پوری سے اصلاح سخن لیتے رہے جن کی شاعری کا رنگ و آہنگ داغؔ دہلوی سے ملتا جلتا ہے۔ یوں تو وہ صوفیؔ منیری کے شاگرد تھے لیکن انہیں داغؔ کا رنگ زیادہ پسند تھا۔ عرفان اسلام پوری ایک کہنہ مشق شاعر تھے اور ان کے شاگردوں کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ نیرؔ نے بھی انہیں کی شاگردی اختیار کی تھی جس کی وجہ سے داغؔ کے رنگ سخن کی پیروی کی لیکن صوفیؔ منیری کے وہ پوتے تھے اس لئے تصوف ان کی شاعری کا اہم میلان بن گیا جس کے عناصر سے نیرؔ اسلام پوری کا کلام مالا مال ہے۔ عاشکانہ اور عارفانہ دونوں قسم کے اشعار ان کے یہاں ملتے ہیں۔ عرفاںؔ کا رنگ بھی ان کے یہاں ہے مگر غالب عنصر صوفیانہ رنگ کا ہے۔ آپ کی غزلوں میں ایک طرف زندگی کی کشمکش، درد و کسک، حسرت و یاس، سوز و گداز کی کیفیت کا اظہار ملتا ہے تو دوسری طرف زندگی کی حقیقت خدا کا

وجود، بے ثباتی عالم، فنا و بقاب، عشق مجازی و عشق حقیقی، وحدت الوجود و وحدت الشہود غرض کہ ہر قسم کے تصوف کے مسائل کی بھرپور ترجمانی ملتی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

کیا دل نہ ہو جس میں تمنائے محبت
کیا سر ہے وہ جس میں نہ ہو سودائے محبت
اس دور میں نیّر کے سوا اور کسی سے
حل ہو نہیں سکتا یہ معمائے محبت
کونین کی قسمت سے فزوں کیوں نہ وہ دل ہو
وہ جلوہ فگن جس میں تجلائے محبت

حسیں لاکھ ہوں دنیا میں کیا غرض ہم کو
ہمیں تمہارے سوا دوسروں سے کام نہیں

جس کو دیکھو مبتلائے عشق ہے اب دہر میں
یا الٰہی دل لگانا ایسا آسان ہو گیا

دل کر دیا ہے میں نے تری رہگذر میں فرش
آجا سمندناز کو جولاں کئے ہوئے

ذرے ذرے میں مہر کا جلوہ
دیکھے جو صاحب بصیرت ہے
قید دنیا سے ہم ہوئے جو رہا
ائے ! اجل یہ تری بدولت ہے

تدبیر کروں وصل کی اب کیا میں الٰہی
بندہ کا تو چلتا نہیں کچھ زور قضا سے

جی سے پسند آئے نہ کیوں مجھ کو درد عشق
اس کی خلش پسند ہے اس کا مزا پسند

فرط غیرت سے گرا چاند زمیں پر دیکھو
قرب کی آنکھ کا تارا وہ سربام آیا

نیّر کی غزلوں میں عشقیہ، فلسفیانہ، تصوفانہ، عارفانہ و اخلاقی ہر طرح کے مضامین ملتے ہیں لیکن انہوں نے کبھی بھی اپنے موضوع کے لئے فن کو قربان نہیں کیا اس لئے کہ اول و آخر وہ شاعر ہیں اور صداقت فن انہیں ہر حال میں عزیز ہے۔ وہ اشعار جس میں صوفیانہ خیالات کو پیش کیا ہے ان میں بھی غزل کی دیانتوں اور فنی صداقتوں کا پورا پورا احترام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں جو متانت، توازن اور ٹھہراؤ کی کیفیت ملتی ہے۔ وہ ان کی شخصیت کی شناخت بنی ہے ۔

الفت میں تری جو مر گیا ہوں
آپ اپنے درد کی دوا ہوں
گو تری رہ طلب میں جو خاک
میں سرمۂ دیدۂ صبا ہوں
دل میں سے خیال نیّر
میں محو جمال دل رہا ہوں
کیا چاہوں بجز ترے الٰہی
بس تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں

ہر کامیاب شاعر کا کلام اس کے ذہن و مزاج تک رسائی کا ذریعہ بنتا ہے۔ کلام ہی سے اس کی شخصیت کی پہچان بھی ہوتی ہے اور انداز فکر اور طرز احساس کی ندرت و انفرادیت بھی نمایاں ہوتی ہے۔ اسی کے جائزے سے اس کا نظریہ حیات سامنے آتا ہے۔ نیّر نے بھی اپنی غزلوں میں ایک واضح، صحت مند اور مثبت نظریۂ حیات کو پیش کیا ہے چونکہ وہ درویش صفت انسان تھے۔ ان کے مزاج میں صبر و قناعت کا رجحان تھا وہ صوفیانہ طبیعت کے حامل تھے۔ اس لئے اس دنیائے آب و گل کے تمام عناصر و اجزا ان کے نزدیک غیر اہم تھے۔ وہ حیات انسانی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا گہرا شعور رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے تجربوں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ شعری پیکروں میں منتقل کیا ہے ۔

اے خدا ہم کو نہ رکھ اپنے کرم سے محروم
زندہ بس اک تیرے امیدِ کرم پر ہیں

کون کس کا ہے کس کو الفت ہے
اپنے مطلب کی ساری خلقت ہے
ذرے ذرے میں مہر کا جلوہ
دیکھے جو صاحب بصیرت ہے

صورتِ درد ہے کسی دل میں
درد دل کی کہیں دوا تو ہے
دونوں عالم میں آسرا میرا
تو ہے اے شاہ دوسرا تو ہے
بحر عصیاں میں ڈوبے کیوں نیّر
اس کی کشتی کا ناخدا تو ہے

ترک الفت پر یہ آمادہ نہیں
اپنے دل کو لاکھ سمجھاتے ہیں ہم

وہ محو آئینہ ہیں تو محوان کا آئینہ
دونوں کو ایک حسن ہے حیران کئے ہوئے

اس نوعیت کے اشعار نیّر کے صوفیانہ میلان کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں حسن وعشق کا جو تصور ہے وہ نہ خیالی وتصوری ہے اور نہ ماورائی اور غیر ارضی۔ اس میں ارضیت اور زمینی واقفیت کا رجحان ہے۔ انہوں نے اپنے ذاتی مشاہدات اور تجربات کو نہایت لطیف و نازک پیرایۂ شعر میں منتقل کیا ہے۔ ان اشعار میں جگر سوزی اور دردمندی کی کیفیت نمایاں ہے۔ جذبہ و احساس اور فکر و خیال کے توازن سے اشعار غزل کی معنویت اور کیفیت کو دل کش بنا دیا ہے۔ ان کی غزلوں میں عشق حقیقی سے متعلق جو تاثرات ملتے ہیں ان میں حسرت والم بھی ہے اور ضبط غم کا بالیدہ شعور بھی۔ انہوں نے انسانی وجود کو حسن ازل کا مظہر قرار دیا ہے اس لئے حسن ازل تک رسائی کا وسیلہ ان کے نزدیک عرفان وجود ہے۔ نیّر نے اپنی غزلوں میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے جس میں رنگ تغزل بھی ہے اور صوفیانہ آہنگ کی بہترین ترجمانی بھی ہے ؎

جلوۂ حق مظہر خدا تو ہے
رونقِ بزم دوسرا تو ہے

کیا چاہوں بجز ترے الٰہی
بس تجھ سے تجھی کو چاہتا ہوں
گو تری رہِ طلب میں جو خاک
میں سرمۂ دیدۂ صبا ہوں
دل میں ہے خیال نیّر
میں محو جمال دل ربا ہوں

کعبے سے موڑ کے منھ نیّر
دیر کو آپ یہ کیا جاتے ہیں

الفت میں کسی کی گر مٹے ہم
عُشاق میں نام کر گئے ہم

نیّر کی غزلوں میں جذبات واحساس کی شدت اور اخلاق و تصوف کی فلسفہ طرازی انہیں صوفیانہ ایمائیت پر مجبور کرتی ہے۔ ان کی غزلوں میں جہاں حقائق و معارف کے نکتے ہیں وہیں زندگی کی حقیقت کی تلاش بھی ہے۔ اخلاق وموعظت کی باتیں بھی اور تسلیم ورضا، شوخی وظرافت، رندی وسرمستی اور ترغیب عمل کی بھی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

ہمیں تو حشر میں رندوں کے ساتھ رہنا ہے
غلام ساقئ عالی و قار ہم بھی ہیں

افسوس شراب فسق و شر سے
پیانہ عمل کا بھرگئے ہم

زاہد کو خلد دوست کی مجھ کو رضا پسند
ان کی جدا پسند ہے میری جدا پسند

کس کام کو آئے ہیں جہاں میں
کیا کام جہاں میں کر گئے

قتل کرکے نہ کل پائے گا
رہے یاد آخر کو پچھتائے گا

بے چین ہوں یارب میں غم و رنج بلا سے
کچھ حصہ تو دے دے مجھے تسلیم و رضا سے
تدبیر کروں وصل کی اب کیا میں الٰہی
بندہ کا تو چلتا نہیں کچھ زور قضا سے

غرض کہ نیرؔ نہ صرف اسلام پور کے بلکہ صوبۂ بہار کے ایک کامیاب غزل گو شاعر کی حیثیت سے مقبول ہیں۔ انہوں نے تصوف کے رموز و نکات کو بڑی دل آویزی کے ساتھ اپنی غزلوں میں بیان کیا ہے لہٰذا ان کی غزلوں میں جو سوز و گداز، کرب و کسک اور تڑپ کی شدت ملتی ہے وہ بالکل فطری ہے۔ ان کی غزلیں عامیانہ اور سوقیانہ انداز بیاں سے پاک ہیں۔ انہیں زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے۔ زبان کی صفائی اور سادگی ان کی غزلوں کی نمایاں خوبی ہے پھر وہ الفاظ اتنے شیریں اور موزوں استعمال کرتے ہیں کہ اس کی قوت تاثیر سے دل و دماغ محصور ہو جاتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی غزلوں میں سادگی و متانت، سادہ ترکیبیں اور دلکش انداز ملتے ہیں جس نے اردو غزل کو توانائی اور ہمہ گیری عطا کی ہے۔ جذبات کی صداقت ان کے نزدیک بہت اہمیت رکھتی ہے۔ نیرؔ شاعری میں آرائش و زیبائش اور صنائع بدائع کے اس حد تک قائل ہیں کہ جذبات کی صداقت متاثر نہ ہونے پائے اس سلسلے میں وہ لکھنوی شعراء کی خارجیت کے مقابلے میں دہلوی شعراء کی داخلیت کے پرستار نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی غزلوں میں صوفیانہ افکار و خیالات کو پیش کرکے اپنی فنی بصیرت کا بہترین ثبوت دیا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ نیرؔ اسلام پوری نے اپنی غزلوں میں صوفیانہ خیالات کے ذریعے اردو شاعری کو نہ صرف صوفیانہ رنگ و آہنگ سے آراستہ کیا ہے بلکہ شیرینیت و لطافت بھی بخشی ہے جو اردو کی صوفیانہ شاعری کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اس طرح کسی بھی اعتبار سے نیرؔ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے جن کے صوفیانہ خیالات نے اردو شاعری کو متانت اور سنجیدگی عطا کی ہے اور غزلوں میں ایک اجتہادی شان پیدا کی ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

□□□

حضرت شاہ ایوب ابدالی نیر اسلام پوری

ڈاکٹر فرحانہ شاہین

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی نیر اسلام پوری حضرت صوفی منیری کے چھوٹے صاحبزادے حضرت شاہ سید علی کامل اسلامپوری کے بڑے صاحبزادے ہیں آپ کا خاندان اپنے حسب وسبت اور دینی خدمات کی وجہ سے بالعموم ہندوستان اور بالخصوص صوبۂ بہار میں ممتاز ہے۔ آپ حضرت امام کے پوتے حضرت امام محمد دیباج کی اولاد میں سے ایک ہیں۔ آپ کا دادیہال خانقاہ منیر شریف اور خانقاہ اسلام پور اپنی درویشانہ صفت اور صوفیانہ مسلک کے اعتبار سے مشہور و معروف ہے۔ آپ کی نانیہال خانقاہ بلخیہ فتوحہ ہے۔ حضرت مولانا مظفر بلخی کی اولاد معنوی حضرت مخدوم حسین نوشۂ توحید کی اولاد اور صاحب سجادہ حضرت غلام مظفر بلخی تھے جن کے آپ نواسے ہیں حضرت نیر ابدالی کے متعلق آپ کے بڑے صاحبزادے پروفیسر محمد طیب ابدالی، صدر شعبۂ اُردو مگدھ یونیورسیٹی اپنی گراں قدر تصنیف ''بہار میں اُردو کی صوفیانہ شاعری'' میں تحریر فرمایا ہے کہ:

> ''۔۔۔۔۔حضرت نیر ابدالی اسلام پوری اپنے خاندانی اور روحانی اعتبار سے صوفی باصفا بھی تھے اور شاعر بلند پایہ بھی۔ آپ حضرت صوفی منیری کے چھوٹے صاحبزادے سید علی کامل اسلام پوری کے بڑے صاحبزادے تھے۔ دادا بھی صوفی شاعر تھے اور والد بھی۔ اس لیے یہ ذوق شعری اپنے بزرگوں سے وراثتاً ملا تھا۔ آپ کا اسم شریف محمد ایوب ابدالی اور تخلص نیر ہے۔ آپ اپنی نانہالی خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ ضلع پٹنہ میں ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام ''منظور حسین'' ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اس کے بعد حضرت مولانا محمد رحمۃ اللہ علیہ کے زیر تعلیم رہے۔ ۱۳۳۳ھ میں مدرسہ دار العلوم محلہ فرنگیاں کان پور میں مولانا مشتاق احمد ابن مولانا احمد حسن کانپوری سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ آخر میں آپ نے (مولانا سخاوت حسین مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے شاگرد تھے) اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید خلیفہ۔ آپ کو فن حرب وضرب کا جب شوق ہوا تو مولانا سید سلیمان ندوی کے والد حضرت حکیم ابو الحسن سہروردی سے یہ فن سیکھا۔ حکیم ابوالحسن علیہ الرحمہ حضرت سید شاہ ولایت علی اسلام پوری کے مرید ومجاز تھے اور فن شمشیر زنی میں رستم خاں لکھنوی کے شاگرد تھے۔۔۔'' [۱]

(بہار میں اردو کی صوفیانہ شاعری، از ڈاکٹر محمد طیب ابدالی، صفحات ۲۲۵)

آپ اپنے والد مرشد حضرت سید شاہ سید علی ابن حضرت صوفی منیری کے مرید ومجاز تھے۔ خاندانی روایت کے مطابق آپ نے دینی وروحانی تعلیم حاصل کی اور کہیں بھی نوکری نہیں کی بلکہ والد حضرت سید شاہ سید علی رحمۃ اللہ علیہ سے سلسلہ فردوسیہ میں مرید ہوئے اور حضرت نے آپ کو جانشیں بنایا اور خانقاہ میں بیٹھ کر رشد وہایت کی اور اذکار واشغال کی تلقین اور تعلیم کی۔ پھر آپ کے بڑے چچا حضرت سید شاہ عبد القادر ابو العلائی سجادہ نشیں نے آپ کو اپنا خلیفہ اور مجاز بنایا۔ اور تمام سلاسل کی اجازت دی اس کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد رفیق بھی اجازت وخلافت سے نوازا۔ پھر خانقاہ شیدیہ جون پور کے صاحب جمال اور حضرت آسی غازی پوری کے جانشین حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانی گورکھ پوری نے اپنا خلیفہ ومجاز بنایا اور تمام سلاسل کی اجازت دی، جو ان کے خاندان میں جاری تھا۔ اس لیے

ردوہدایت کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوا۔ ہندوستان کے علاوہ مدینہ منورہ میں بھی حضرت حضرت مولانا عبد الرؤف افغانی صاحب خلیفہ ومجاز تھے۔ وہ اب اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ اُردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے اور حضرت عرفان اسلام پوری سے مشورہ سخن کرتے اور ان کے تلامذہ میں آپ کو شاگرد رشید تسلیم کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ عرس حضرت شاہ ولایت علیؒ کے بعد جو ۱۵ر محرم کو مشاعرہ ہوتا تھا اور جو مصرع طرح دیا گیا اس میں استاد اور شاگرد دونوں کا شعر بالکل زبان وخیال کے اعتبار سے ایک ہی ہو جاتا۔ نیّر اسلام پوری اگر چہ غالب اسلوک کے پروردہ تھے اور کیوں نہ ہوں جب آپ کے دادا صوفیؔ منیری غالب کے شاگرد تھے، لیکن دادغ دہلوی کا انداز اس عہد میں زیادہ چھا گیا اور صوبۂ بہار میں داغؔ کے شاگردان کی تعداد زیادہ تھی۔

نیر اسلام پوری زبان وبیان کے غزل گو شاعر تھے۔ لیکن خاندانی صوفیانہ ماحول کی وجہ سے شاعری میں تصوف کا رنگ وآہنگ غالب رہا۔ کچھ اشعار سُن لیجئے۔ تصوف کے رنگ میں رحمت کا تیور اس شعر میں دیکھئے:

حشر میں کون ہے بڑھتا دیکھوں
یہ گنہ میرے کہ رحمت تیری

اور اس شعر کو بھی ملاحظہ کیجئے:

اے خدا ہم کو نہ رکھ اپنے کرم سے محروم
زندہ بس اک ترے اُمید کرم پر ہم ہیں

اور قضا اور تسلیم ورضا کی اصطلاح اور اشعار تصوف میں کثرت سے ہیں۔ نیر کو اسی رنگ میں دیکھئے:

بے چین ہوں یارب میں غم ورنج وبلا سے
کچھ حصہ تو دے دے مجھے تسلیم ورضا سے
تدبیر کروں صل کی اب کیا میں الٰہی
بندہ کا تو چلتا نہیں کچھ زور قضا سے

تصوف میں زندگی اور بقا کی تین منزلیں بتائی گئی ہیں اور انہیں فنائیت سے تعبیر کیا گیا ہے یہی فنائیت کی آخری منزل بقا ہے اسی لیے (۱) فنا فی الشیخ (۲) فنا فیالرسول (۳) فنا فی اللہ کی اصلاحین وضع کی گئیں ہیں اور شاعری میں فنا فیالشیخ میں منقبت نگاری آتی ہے۔ اور فنافی الرسول میں نعت گوئی اور فنا فیاللہ میں ثنا ۔ لیکن ان تینوں کا خمیر عشق حقیقی سے تیار ہوتا ہے۔ نیر اسلام پوری نے نعت گوئی کی طرف ادب کے ساتھ ہاتھ بڑھایا ہے اور جو کچھ کہا ہے اس میں ادب اور سلیقہ کا انداز بدرجہ اتم موجود ہے۔ آپ نے ایک نعت کہی ہے جس کا ایک عجیب واقعہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ۱۳۵۵ھ میں اسلام پور سے کچھ حضرات حج بیت اللہ کے لیے جا رہے تھے اور ان لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت شاہ ایوب ابدالی نیر اسلام پوری کو بھی حج بدل کے لے لے جائیں لیکن آپ کے والد اور پیر ومرشد کے طبیعت ناساز تھی اس لیے آپ ان کی خدمت پر مامور تھے اور اپنے والد کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ وہاں کے تمام افراد نے جس میں شاہ رشید صاحب پیش پیش تھے آپ کے والد کو بھی مجبور کیا کہ وہ آپ کو جانے کی اجازت دیں لیکن آپ اپنے والد کی نظر سے دور اور خدمت سے محروم ہونا نہیں چاہتے تھے اس لیے آپ نہ جا سکے اور آپ کی جگہ پر آپ کے چچا زاد بھائی حافظ شاہ یحیٰؒ ابدالی حج بیت اللہ کے لیے گئے۔ دل کے اندر عشق رسول کی تڑپ تھی۔ آنکھوں میں آنسو تیرتے رہتے اور آخر کار آپ نے اس موقع پر ایک نعت کہی جسے عرض بدرگاہ رسالت پناہ کے نام سے موسوم کیا گیا اور ان کے حوالے کر دیا گیا اور اس تمنا کا اظہار کیا گای کہ ی نعت نبوی جو نیر اسلام پوری کی تحریر میں تھی اسے جالی روضۂ اطہر کے اندر غال دی جائے تا کہ نجات کا ذریعہ ہو۔ چنانچہ ۱۰ر محرم ۱۳۵۶ھ کو روضۂ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں ایک محافظ نبوی کے ذریعہ ڈال دی گئی جو فائز ہوئی۔ یہ نعت درج ذیل ہے:

فائزی عرش برینی یارسول
کعبہ روئے زمینی یارسول
فائز عرش بریں ہو یارسول

کعبہ روئے زمیں ہو یارسول
تو غریباں را معینی یارسول
حال ماتا کے نہ بینی یارسول
تم غریبوں کے معیں ہو یارسول
میری حالت کے قریں ہو یارسول
رحمۃ للعالمینی یارسول
رحمتِ دنیا ودیں ہو یارسول
ہم شفیع المذنبینی یارسول
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول
اے مکین گنبد خضرائے پاک
روحی وامی وابی دائم فداک
ہوں فدا اے سبز گنبد کے مکیں
باپ ماں میرے مری جان حزیں
ہست دل از سقم خد اندیشناک
سقمہائش را طبیب من سواک
تھر تھرا تا ہے دل اندوہ گیں
کون ہے اس کی دواتم ہو تمہیں
رحمۃ للعالمینی یارسول
رحمتِ دنیا ودیں ہو یارسول
ہم شفیع المذنبینی یارسول
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول
ریخت عصیاں آہ مارا آبرو
نسبت درگلہائے طاعت رنگ وبو
آہ عصیاں نے ڈبوئی آبرو
پھول بھی طاعت کے ہیں بے رنگ وبو
اے بشیر آیۂ لاتقنطوا
یک نگہ داریم از تو آرزو
اے بشیر آیت لاتقنطوا
اک نظر کی ہے تمہیں سے آرزو
رحمۃ للعالمینی یارسول
رحمتِ دنیا ودیں ہو یارسول
ہم شفیع المذنبینی یارسول
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول
گر چہ ہست از بندگی نسبت بہم
وجہ ننگ وعار تو شاہا منم
خیر اُمت حق نے گو مجھ کو کہا
وجہ ننگ وعار ہوں لیکن شہا
ہستم از سگہائے تو در رتبہ کم
بخت من گر خاک پائے شان شوم
کم ہے کتوں سے تمہارے مرتبہ
چمکے قسمت گر ہوں ان کی خاک پا
رحمۃ للعالمینی یارسول
رحمتِ دنیا ودیں ہو یارسول
ہم شفیع المذنبینی یارسول
بخشواتے بھی تمہیں ہو یارسول

مذکورہ بالا نعت روضۂ انور میں اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کو مختلف خانوادہ کے مریدوں نے وظیفہ بنالیا ہے اور فجر کی نماز کے وقت پڑھتے ہیں۔ رسالہ نقیب پھلواری شریف میں ۷ر ربیع الاول ۱۳۷۰ھ کے شمارے میں شائع ہوئی ہے یہ نعت فارسی میں ہے لیکن اس کا اُردو ترجمہ بھی شامل ہے۔ اس سے قارئین نعت کی دونوں زبانوں سے بیک وقت لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

اس عاشق رسول یعنی نیر اسلام پوری کا وصال ۳ر رجب المرجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء کو اسلام پور ہی میں ہوا اور وہیں اپنے والد اور پیرومرشد حضرت شاہ سید علی کے بغل میں مدفون ہوئے۔ آپ کا عرس ۳ر رجب المرجب کو ہر سال ہوا کرتا ہے۔ جس میں ہندوستان کے مختلف صوبوں سے متوسلین شریک عرس ہوتے ہیں۔ آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے اور جانشین ڈاکٹر محمد طیب ابدالی، صدر شعبہ اردو مگدھ یونیورسٹی، بودھ گیا۔ جو کہ ہمارے نگراں بھی ہیں، خاندانی مسلک اور روش کو اپنا کر اپنے رشد وہدایت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

□□□

شاعر تصوف حضرت سید شاہ ایوب ابدالی

مولانا محمد قمر الزماں مصباحی: صدر المدرسین الجامعۃ الرضویہ پٹنہ

بہار کی زمین اہل دل اہل نظر صوفیا اور علمائے ربانیین کے وجود مسعود سے ہمیشہ لالہ زار رہی ہے جنہوں نے اپنی پاکیزہ تعلیمات حسن سیرت روشن کردار طہارت فکر اور خوبصورت اخلاق وعادات سے انسانی قلوب کی فصیل پر اسلام کی عظمتوں کا پرچم لہرایا گم گشتان راہ کو منزل کا پتہ بتایا نگاہوں میں محبت رسول کے شرارے پیدا کیے سینوں کو خشیت الٰہی کا امین بنایا اور قدم قدم پر مخلوق خدا کے لئے تزکیہ نفس اور تطہیر قلوب کا سامان مہیا کیا انہیں میں سے ایک علمی، دینی، ادبی اور روحانی شخصیت حضرت سید شاہ ایوب ابدالی فردوسی نیر اسلام پوری کی ہے جن کی جلوت وخلوت یاد الٰہی اور عشق رسالت پناہی کی خوشبوؤں سے معطر رہا کرتی تھیں۔ آپ بیک وقت عالم، فاضل، صوفی، ادیب، شاعر اور سلسلہ فردوسیہ کے مستند پیر تھے۔ آپ کی پوری زندگی اسلام کی ترویج واشاعت اور روحانی اقدار کے فروغ میں گذری آپ ایک مرنجان مرنج شخصیت کے حامل تھے تصوف کا رنگ، درس گاہ کا تیور ادب کا جمال اور شعری لطافت یہ ساری چیزیں آپ کے طاق زندگی میں شمع بن کر مسکراتی رہیں۔

۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ صبح صادق کے وقت اپنی نانیہال خانقاہ بلخیہ فردوسیہ فتوحہ پٹنہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔ موسیٰ نام رکھا گیا، ایوب عرف قرار پایا۔ مرشد گرامی نے اجازت وخلافت عنایت کرتے وقت ابوالخیر کے لقب سے نوازا اور جب شاعری کی دنیا میں قدم رکھا تو نیر اسلام پوری ہو گئے۔

ابتدائی تعلیم والد گرامی سے حاصل کی دو سال کانپور میں حضرت علامہ مشتاق احمد قدس سرہٗ سے اکتساب فیض کیا۔ دو سال بعد اپنی خانقاہ اسلامپور لوٹ آئے۔ جہاں حضرت مولانا شیر علی اور حضرت مولانا سید عبد الاحد صاحبان سے درسیات کی تکمیل فرمائی تصوف میں والد محترم اور مولانا رفیق سے شرح آداب المرید، مکتوبات صدی اور مثنوی مولائے روم کا درس لیا۔ شاہ اکرام الدین سے کلیات ونثر غالب اور کلیات بیدل پڑھی۔

آپ نے جس آغوش مجد وشرف میں پرورش پائی اس میں قرآن وحدیث فقہ وتفسیر زبان وادب اور شعر وسخن کے تابندہ ستارے بھی جگمگا رہے تھے آپ کے جد کریم حضرت صوفی منیری غالب کے شاگرد اور اپنے وقت کے بلند پایہ شاعر تھے۔ والد گرامی حضرت سید شاہ علی کامل اسلام پوری نے بھی اچھا مذاق سخن پایا تھا۔ گویا شعری نزاکت تخئیل کی رفعت اور فکری لطافت آپ کو ورثاء میں ملی تھی۔ آپ کی شاعری میں فن کی صداقت اور عشق کی حرارت دونوں کا حسین امتزاج موجود ہے۔ جو ایک اچھے فنکار کی علامت ہے۔

اسیر حلقہ گیسوئے یار ہم بھی ہیں
بلند طالع وخوش روزگار ہم بھی ہیں
صبا سنبھل کے قدم کوئے یار میں رکھنا
اس گلی میں بمشکل غبار ہم بھی ہیں

جی سے پسند آئے نہ کیوں مجھ کو درد عشق
اس کی خلش پسند ہے اس کا مزہ پسند ہے

زاہد کو خلد دوست کی مجھ کو رضا پسند
اس کی جدا پسند ہے میری جدا پسند

دیکھئے واردات قلب کو سادہ لفظوں میں اپنے خوشبو بکھیرتے قلم سے کس طرح سینہ لوح پر سجایا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے کہ وہ شجر نور سے مدحت رسول کی کلیاں چن رہے ہیں۔ اور قاری ان کلیوں کی مہک سے دامن دل کو معطر کرتا چلا جا رہا ہے۔

داغ دل بہار ہے گویا
دل نہیں لالہ زار ہے گویا
قتل عشاق کے لیے وہ نگاہ
خنجر آبدار ہے گویا
جان عاشق جو کی ہے لب پہ اسے
آپ کا انتظار ہے گویا

ہر مصرعہ بولتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ جس میں تغزل کا رنگ عشق کی کیفیت، لب ولہجہ کی بنائیت، وجد وکیف کی لذت اور حسین اسلوب کی دلکشی یعنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے۔

الفت میں تیری جو مرگیا ہوں
آپ اپنے میں درد کی دوا ہوں
بس ایک یہی ہے جرم پیدا
سوجان سے آپ پر فدا ہوں
وہ تیری طلب میں ہوں خاک
میں سرمۂ دیدہ صبا ہوں
دل میں ہے خیال یار نیر
محو جمال دل رہا ہوں

آپ کی شاعری فکر ونظر کی صداقت حسین تخیل، سادگی و پرکاری اور عشق حقیقی کا مکمل ترجمان ہے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ شاعری میں مشق وریاضت سے زیادہ فیض ربانی سہارا دیتا ہے۔ جس پہ قدرت کا یہ انعام ہو جائے تو شعر گوئی کو صداقت کی زبان مل جاتی ہے۔ اگر حضرت نیر کی شاعری پر ایک طائرانہ نظر بھی ڈالیں تو آپ کا فن نعت گوئی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔

جلوۂ حق مظہر خدا تو ہے
رونق بزم دوسرا تو ہے
حق نے کتنے نبی پیدا کیے
ان سبھوں سے مگر سوا تو ہے
شاہد عدل اس کی ہے لولاک
ساری تخلیق کی بنا تو ہے
ہادی خضر ورہبر الیاس
رہنماؤں کا رہنما تو ہے
بوئے توحید جس سے پھیلی ہے
باغ عالم میں وہ ہوا تو ہے
بحر عصیاں میں ڈوبے کیوں نیرؔ
اس کی کشتی کا ناخدا تو ہے

مندرجہ بالا اشعار پڑھئیے اور ان کی سہل پسندی کو داد دیجئے آپ یہ محسوس کر رہے ہوں گے کہ الفاظ کے بوجھ سے کسی شعر کو بوجھل نہیں ہونے دیا۔ بلکہ سادہ جملوں، حسن بیان، اور بلند خیالی سے ایسی پر کیف فضا قائم کر دی کہ قاری مطالعہ کے بعد عش عش کر اُٹھے۔ یوں تو آپ کی زندگی کے بیشتر لمحات اصلاح حال وقال میں گزرے تاہم خانقاہ سے وابستگی کے بعد بھی گلستان ادب سے اپنا رشتہ کمزور نہیں ہونے دیا جو بلاشبہ ایک صحت مند شاعری کی پہچان ہے۔

الفت میں کسی کی مر گئے ہم
عشاق میں نام کر گئے ہم
وہ آئے تو آئی جان ہم میں
وہ اُٹھ کے گئے کہ مرگئے ہم
کس کام کو آئے تھے یہاں
کیا کام جہاں میں کرگئے ہم
افسوس شراب فسق وشر سے

پیمانہ عمل کا بھر گئے ہم
عاشق یہ مرا ہے وہ جو بولے
بس مارے خوشی کے مرگئے ہم
مرنے کو تو مرگئے پر نیر
سونی محفل ہی کر گئے ہم

خانقاہ کے وجود کا اصل مقصد تشکیل انسانیت، کردار سازی ،صفائی قلب، اور تطہیر فکر ونظر ہے۔ چنانچہ ایک خانقاہی ہونے کی حیثیت سے معاشرے کی بدحالی سماج کی برائی اور ماحول میں بڑھتی بداعمالیوں کو دیکھ کر دل کا خون کے آنسو بہانا ایک فطری شئے ہے۔ خالق کونین نے انسانوں کو اس لیے بھیجا کہ جنگ وجدال شر وفساد فسق وفجور ظلم وستم اور جہالت وضلالت سے پاک زہد وتقویٰ کی زندگی گذارے۔ بدعملی کی سیاہ رات کو چیر کر حسن سیرت کا سورج اگائے لیکن آدمی اس کے برعکس زندگی گذار رہا ہے۔ تو یقیناً اپنے مقصد تخلیق سے غافل ہے۔ اس لیے حضرت نیر کہہ رہے ہیں:

کس کام کو آئے تھے یہاں
کیا کام جہاں میں کرگئے ہم
افسوس شراب فسق وشر سے
پیمانہ عمل کا بھر گئے ہم

الغرض حضرت نیر اسلام پوری کی شاعری میں سچے لہجے کا اظہار بھی ہے اور عشق کی شادابی بھی فکر کی رنگینی بھی ہے اور خیال کی ندرت بھی۔ اصلاح حال بھی ہے اور سماج سے برائیوں کو خاتمہ کی دعوت بھی۔ قلم کی ایسی برکتیں بہت کم اہل قلم کو میسر ہیں۔ ان کے اشعار کے مطالعہ سے میں اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ انہوں نے زلف سخن کی مشاطگی میں نہایت مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔ اور یہ ریاضت انہیں یونہی ہاتھ نہیں لگی ہے بلکہ اس کے پیچھے ان کے پرکھوں کی روشن ادبی روایات اور فکری اقدار کا تحفظ شامل ہے۔

صفحہ ۵۵ کا بقیہ

بس وہی زیست کا مزا جانے
درد کو اپنے جو دوا جانے
حیف میں تجھ کو با وفا سمجھوں !
اور تو مجھ کو بے وفا جانے
طلب دل پہ ناز سے بولے
میں نہیں جانتا خدا جانے
کون مرتا ہے ، کون جیتا ہے
کیا غرض آپ کی بلا جانے
وائے حیف کے ہو نکما اور
خود کو انسان کام کا جانے
اس سے کیوں کر وفا کی ہو امید
بے وفائی کو جو وفا جانے
سب سے اچھا ہے بس وہی نیّر
آپ کو سب سے جو بُرا جانے

محبت میں جی سے گزر جائے گی
میری جان بھی نام کرجائے گی
رُکے تم مرے قتل سے یہ بتاؤ
یہ میری بلا کس کے سر جائے گی
انھیں بھی یہ تڑپائے گی ایک دن
یونہی آہ کیا بے اثر جائے گی
کمی جور میں ہو، یہ مانا مگر
تری خُو بھی اے فتنہ گر جائے گی
نہ نکلے گی نیّر کوئی آرزو
یونہی عمر ساری گزر جائے گی

□□□

بہار کا نامور صوفی شاعر: نیرؔ اسلام پوری

ماخوذ: از مسلم شعرائے بہار

سید شاہ محمد ایوب ابدالی نام، نیر تخلص ہے، جناب سید شاہ سید علی کامل اسلام پوری کے فرزند اور حضرت سید شاہ فرزند علی صوفی منیری کے پوتے اور پروفیسر سید طیب ابدالی کے والد ہیں۔ قصبہ اسلام پور ضلع پٹنہ مسکن تھا، ۲۰ رمحرم الحرام ۱۳۲۴ھ یوم ولادت ہے۔ تحصیل علوم عربیہ کے دوران ہی میں شعر و سخن سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی، حضرت عرفان اسلام پوری سے شعر گوئی میں تلمذ تھا، صفائی، سلاست بیان اور روز مرہ کی محاوروں کی طرف طبیعت کا میلان زیادہ تھا، فارسی کی طرف بھی کبھی کبھی فکر سخن کر لیتے تھے۔ بروایت جناب مولانا محمد عثمان رخشاں ابدالی ۳ ر رجب ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۷ء روز یکشنبہ ۳ بجے شب کو بمقام اسلام پور انتقال کیا۔

حضرت نیر مرحوم کے صاحبزادے ڈاکٹر سید شاہ محمد طیب ابدالی صدر شعبہ اردو کوآپریٹیو کالج جمشید پور بھارت، جنھوں نے اپنے پردادا صوفی منیری کی کتاب راحتِ روح کو ایڈٹ کیا اور حضرت منیری کی دوسری تصنیفات پر ریسرچ کیا ہے جس پر آپ کو پٹنہ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی ہے، کتاب ''راحتِ روح'' رانچی یونیورسٹی کے ایم اے اردو کے نصاب میں کر دی گئی ہے جناب ڈاکٹر محمد طیب ابدالی صاحب اپنے ایک نامۂ نامی میں راقم کے نام لکھتے ہیں ''حضرت والد'' نیر اسلام پوری نے چار رسالے لکھے ہیں ایک عقائد کے بیان میں جو پچاس صفحات پر مشتمل ہے دوسرا تصوف کے بیان میں اس کا نام الاحسان رکھا ہے یہ بھی پچاس صفحات پر مشتمل ہے تیسرا رسالہ ذکر و شغل میں چوتھا رسالہ اپنے والد حضرت سید شاہ سید علی کامل اسلام پوری کے حالات میں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

خجل چال سے تیری کبک دری ہے
تیرے حسن کو دیکھ حیراں پری ہے

قیامت کا پتلہ وہ رشکِ پری ہے
کہ ہر چال میں اس کی آفت بھری ہے

بلا ہے کرشمہ، ادائیں قیامت
ستم غمزہ آفت کی عشوہ گری ہے

گئے اس کی محفل میں جب ہم، تو ہم پر
وہیں کچھ نہ کچھ اس نے تہمت دھری ہے

زمانے کو بھی یوں بدلتے نہ دیکھا
نظر جس طرح تیری ظالم پھری ہے

وہ جس دل کو تاکیں نہ ہو کیوں وہ بسمل
غضب کی ان آنکھوں میں جادوگری ہے

چلے، لیتے ہی دل نہ بیٹھے ذرا تم
یہی مہرباں، شیوۂ دلبری ہے

یہ دیتا نہیں چین کیوں عاشقوں کو
یہ کیا گردشِ چرخِ نیلوفری ہے

جو پوچھا کہ یہ عشق کیا ہے؟ تو بولے
کسی نے کہا ہنس کے میٹھی چھری ہے

مجھے اپنے دلبر سے مطلب ہے نیرؔ
غرض کس کو کیا حور، کیسی پڑی ہے

□□□

بقیہ صفحہ ۵۵ ر پر۔۔۔۔

عقائد شرفی: صراط مستقیم کی رہنما قندیل

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ نجم القادری، مہتمم الجامعۃ الرضویہ پٹنہ سیٹی

میرے سامنے اس وقت ایک ایسی کتاب کھلی ہے جس کا ورق ورق بلکہ جس کی سطر سطر ایمان اور حقائق ایمان کے جلوؤں سے مزین ہے، جس کی جوبات جو جہاں سے چاہے حوالہ کے طور پر بصد اذعان و ایقان پیش کرسکتا ہے اس لیے کہ یہ کتاب اس عظیم مصنف کی تصنیف ہے جو عالم بھی ہے اور عارف بھی، اور بقول حضرت بایزید بسطانی سلطان المحققین بھی۔ کتاب کے نام ہی سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب کے مندرجات کس چیز کی عکاسی کرتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں وقار ساز شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کی یہ کتاب فارسی زبان میں تھی، جس کا اردو ترجمہ اور تحشیہ کا کام حضرت مخدوم سید الشاہ محمد ایوب ابدالی، اسلام پوری نے کیا ہے اور ترتیب و تہذیب کے نازک ڈگر سے ڈاکٹر سید شاہ محمد طیب ابدالی گذرے ہیں، اور پیش کش کا فریضہ سید شاہ محمد شہاب الدین ابدالی فردوسی نے انجام دیا ہے۔ اس طرح ترتیب سے لے کر پیش کش تک یہ کتاب خوب صورت جھومر سے سجی ہے۔ اپنے ابتدائیہ میں سید محمد شہاب الدین ابدالی فردوسی اس کتاب کی اہمیت، افادیت اور ضرورت پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

> ''عقائد شرفی میں ایمان کیا ہے، اس کی کیفیت کیا ہونی چاہیے، ایمان کی حد کیا ہونی چاہیے، جیسے موضوعات پر اختصار کے ساتھ مدلل بحث کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جو تب بھی اہم تھا اور اب بھی اہم ہے، اور خاص طور پر تب، جب اسلام کے الگ الگ مسلک کے ماننے والے، ایمان کی الگ حدیں طے کرنے پر بضد ہیں۔'' (عقائد شرفی، ص ۸)

دورِ حاضر کا یہ بہت ہی اہم نکتہ ہے جس کی طرف حضرت ناشر نے اشارہ کیا ہے، یہ الگ الگ حدیں طے کرنے کا ہی المناک نتیجہ ہے کہ اُمت کئی گروہ، کئی جماعت اور کئی فرقے میں بٹی ہوئی ہے۔ ظاہر ہے ان تمام فرقوں میں کوئی ایک ہی ہوگا جو صراطِ مستقیم ہوگا، ظاہر ہے صراطِ مستقیم پر وہی ہوگا اور اسی جماعت کو اہلِ حق، اہلِ سنّت و جماعت کہلانے کا حق حاصل ہوگا جس کا رشتۂ فکر تسلسل کے ساتھ عہدِ نبوی سے متصل ہوگا اور ہمیں فخر و شرف حاصل ہے کہ ہم دعویٰ کریں کہ ہم ہی حق بجانب ہیں۔ ہم ہی اہلِ سنّت و جماعت ہیں۔ اس لیے کہ ہماری فکر کا رشتہ حضرت مخدوم بہار کی فکر کی ڈوری سے لگی بندھی ہے، اور اظہر من الشمس ہے کہ حضرت مخدوم جہاں مقبول و محبوب بارگاہِ رسول مقبول ہیں۔ دیکھیے وہ کس طرح اپنی کتاب ''عقائد شرفی'' میں ایمان اور ضروریاتِ ایمان پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''ایمان کی شرطیں یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ان پر ایمان لانا فرض ہے، اور اس کے بغیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ ایمان درست نہیں، اور ان سے انکار کرنا کفر ہے۔ ان کو ایمان کی صفتیں بھی کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جو چیز نص قاطع یا حدیث متواتر یا اجماعِ اُمت سے ثابت ہے اسے قبول کرے۔ جیسا کہ خدا پر ایمان، فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کے دن پر ایمان، کہ یہ سب نص قاطع (قرآن) اور خبر متواتر (جماعت کی روایت) اور اجماع (ہر زمانے میں تمام اُمت کا عمل) سے ثابت ہے، اور جو چیز ثابت ہوچکی ہے خبر واحد سے اور فقہا کا اتفاق اس خبر واحد کی صحت پر ہے، اور فقہا کا اجماع ہے اس خبر واحد کے قبول پر بغیر تاویل (کھینچ تان) کے تو وہ بھی شرائط ایمان کے لیے، جیسا کہ عذابِ قبر، پل صراط، ترازو (نیکی بدی تولنے کے لیے)

شفاعت اور معراجِ رسول علیہ السلام بیت المقدس سے آسمان تک۔'' (عقائد شرفی، ص ۳۶)

کوزے میں سمندر کی مثال کو اگر کوئی چند جملوں میں دیکھنا چاہے تو وہ حضرت مخدوم بہار کی اس تحریر کو دیکھے، عقائد کے حوالے سے وہ کیا چیز ہے جس کا اس میں ذکر نہ ہو، اسی اجمال کی تفصیل ہمارے علما نے کی تو ضروریاتِ دین کے نام سے دورِ حاضر کے تناظر میں تفصیلی بحث فرمائی۔ ان میں سے چند منتخب یہ ہیں، جن میں سے کسی ایک بات کا انکار بھی کفر ہے۔ مثلاً خدائے تعالیٰ کو ایک اور واجب الوجود ماننا۔ اس کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ سمجھنا، ظلم اور جھوٹ وغیرہ تمام عیوب سے اس کو پاک ماننا۔ اس کے ملائکہ اور اس کی تمام کتابوں کو ماننا، قرآن مجید کی ہر آیت کو حق سمجھنا، حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام کی نبوت کو تسلیم کرنا، ان سب کو عظمت والا جاننا، انھیں ذلیل اور چھوٹا نہ سمجھنا، ان کی ہر بات جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہوا سے حق ماننا، حضور علیہ السلام کو خاتم النبیین ماننا، ان کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کو جائز نہ سمجھنا، قیامت، حساب وکتاب اور جنت ودوزخ کو حق ماننا، نماز، روزہ، اور حج وزکوٰۃ کی فرضیت کو تسلیم کرنا، زِنا، چوری اور شراب نوشی وغیرہ حرام قطعی کی حرمت کا اعتقاد کرنا، اور کافر کو کافر جاننا وغیرہ۔

(عامہ کتب فقہ)

پتہ چلا مسلمان ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ صرف دین اسلام ہی کو سچا مذہب ماننے اور کسی ضروری دینی کا منکر نہ ہو، اور ضروریاتِ دین سے کسی ضروری دینی کے خلاف عقیدہ نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ تمام ضروریاتِ دین کا اس کو علم نہ ہو۔ لہٰذا بالکل جاہل، گنوار جو اسلام اور پیغمبر اسلام کو حق ماننے اور اسلامی عقیدوں کے خلاف کوئی عقیدہ نہ رکھے، چاہے کلمہ بھی صحیح نہ پڑھ سکتا ہو، وہ مسلمان ہے۔ مومن ہے، کافر نہیں۔ البتہ نماز، روزہ، حج وغیرہ اعمال کے ترک سے گنہگار ہوگا لیکن مومن رہے گا، اس لیے کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں۔

حضرت شیخ مخدوم جہاں نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف میں ضروریاتِ دین پر جو بحث کی ہے وہ صفحہ گیارہ سے تیرہ تک پھیلا ہوئی ہے۔ اس کے حاشیے میں تحشیہ نگار حضرت سید الشاہ محمد ایوب ابدالی نے خالص علمی، فقہی انداز میں حقیقت ضروریاتِ دین پر جو گوہرفشانی کی ہے یقیناً وہ آبِ زر سے لوحِ دل پر لکھنے اور محفوظ رکھنے کے قابل ہے۔ آج اگر صرف اسی حاشیہ کو آدمی غور سے پڑھ لے اور اس آئینے میں اپنے ایمان وعقیدے کا چہرہ دیکھ لے تو اگر وہ گمراہ بھی ہو تو کامل الایمان مسلمان بن جائے۔ آج تو لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں، کچھ بھی بکیں، کچھ بھی لکھیں ہم مسلمان کے مسلمان ہی رہیں گے۔

کاش ان کی سمجھ میں یہ بات آجائے کہ جان کی طرح ایمان کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ برسوں کا ایمان تھوڑی سی بے احتیاطی سے سیکنڈوں میں چلا

جاتا ہے اور آدمی سرحدِ ایمان سے نکل کر سرحدِ کفر میں پہنچ جاتا ہے اس لیے ہر لمحہ، ہر پل، ہر گھڑی یہ خیال ذہن میں محفوظ اور موجود رہنا چاہیے کہ ہم سے کوئی ضروریاتِ دین میں سے ایک بھی ضرورتِ دینی ٹوٹنے اور چھوٹنے نہ پائے، ورنہ کیا ہوگا، سنیے حضرت سید الشاہ محمد ایوب ابدالی علیہ الرحمہ کی زبانی حضرت برملا ارشاد فرماتے ہیں، اور وہ بھی اپنی طرف سے کچھ نہیں فقہ حنفی کی معتمد کتاب ردالمحتار کے حوالے سے:

''جملہ ضروریاتِ اسلام سے کسی چیز میں خلاف کرنے والا بالاجماع کافر ہے۔ اگرچہ اہلِ قبلہ سے ہو، اور تمام عمر طاعت میں بسر کرنے والا بھی۔''

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایمان کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے فرمایا: ایمان زبان سے اقرار کرنا، اور عمل سے تصدیق کا نام ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس بیان کی شہادت میں آیت، لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاٰخر والکتب والنبیین پڑھی۔ یعنی پاکی یہ نہیں ہے کہ تم پورب اور پچھم منہ کرو، لیکن پاکی یہ ہے کہ جو اللہ اور قیامت اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے (سورہ بقرہ) دین میں ہے۔ (حاشیہ عقائد شرفی، ص ۱۲)

آج کچھ لوگ بڑی بے تکلفی سے بول دیتے ہیں کہ ہم اہلِ قبلہ کو کافر نہیں کہتے، کیوں کہ حدیث میں منع فرمایا گیا ہے۔ ایسے تمام لوگوں کو حضرت محشی سید محمد ایوب ابدالی کی فکر کی روشنی میں اپنا

قبلہ درست کر لینا چاہیے۔ بالکل یہی فکر، یہی خیال، یہی عقیدہ ہمیں امامِ اہلِ سنّت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کے یہاں بھی نظر آتا ہے۔ امامِ اہلِ سنّت کا کمال یہ ہے کہ کہیں پر بھی، کسی بھی معاملے میں وہ اپنے اکابر کی فکر سے سرِ مو اختلاف و انحراف نہیں کرتے، بلکہ ہر جگہ فکرِ اکابر کی تائید و توثیق میں سینہ سپر نظر آتے ہیں۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر کے حوالے سے جو تخیل حضرت مخدوم جہاں سے ہوتا ہوا حضرت سید ایوب ابدالی کے واسطے سے ہم تک پہنچا ہے، بالکل یہی نظریہ امام احمد رضا کے یہاں نظر آتا ہے۔

چوں کہ برصغیر میں تقریباً دو صدی سے اہلِ قبلہ کی تکفیر کا مسئلہ باعثِ نزاع بنا ہوا ہے، اس لیے حضرت محشی سید الشاہ ایوب ابدالی نے بھی خصوصیت کے ساتھ اس مسئلہ کو نکھارا اور آیت قرآنی سے اس کا رد و ابطال فرمایا۔ بالکل ویسے ہی امام احمد رضا نے بھی اس مسئلہ پر جب قلم اُٹھایا، تو ان کا قلم حقائق و معارف کے لولوا ُ گلتا چلا گیا۔ اپنی تصنیف لطیف ''تمہید ایمان'' میں رقم طراز ہیں:۔۔۔

''ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع و اتفاق ہے کہ قرآنِ عظیم کو مخلوق لکھنے والا کافر ہے۔ کیا معتزلہ و کرامیہ اس قبلہ کی طرف نماز نہیں پڑھتے؟ نفس مسئلہ کا جزئیہ لیجیے۔ امام مذہب حنفی سیدنا امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں: ''ایما رجل مسلم سب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ او تنقصہ فقد کفر باللہ تعالیٰ وبانت منہ امرأتہ۔'' جو شخص مسلمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دُشنام دے یا حضور کی طرف جھوٹ کی نسبت کرے یا حضور کو کسی طرح کا عیب لگائے یا کسی وجہ سے حضور کی شان گھٹائے، وہ یقیناً کافر اور خدا کا منکر ہو گیا اور اس کی جورو اس کے نکاح سے نکل گئی۔''

دیکھو کیسی صاف تصریح ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص شان کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے۔ اس جو جورو اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ کیا مسلمان اہلِ قبلہ نہیں ہوتا۔ یا اہلِ کلمہ نہیں ہوتا؟۔۔ سب کچھ ہوتا ہے، مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کے ساتھ نہ قبلہ قبول، نہ کلمہ قبول۔ والعیاذ باللہ رب العالمین۔

اصل بات یہ ہے کہ اصطلاحِ ائمہ میں اہلِ قبلہ وہ ہے کہ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہو۔ ان میں سے کسی ایک بات کا بھی منکر ہو تو قطعاً اجماعاً کافر، مرتد ہے۔ ایسا کہ جو اسے کافر نہ کہے، خود کافر ہے۔ شفا شریف، وبزازیہ، ودُرر، وغرر، وفتاویٰ خیریہ وغیرہا میں ہے: ''اجمع المسلمون ان شاتمہٗ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ومن شك فی عذابہ و کفرہ کفرٌ'' تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ پاک میں گستاخی کرے، وہ کافر ہے۔ اور جو اس کے معذب یا کافر ہونے میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے۔''

چند سطر بعد مواقف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مواقف میں ہے کہ اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا، مگر جب ضروریاتِ دین یا اجماعی باتوں میں سے کسی بات کا انکار کریں۔ جیسے حرام کو حلال جاننا، اور مخفی نہیں کہ ہمارے علما جو فرماتے ہیں کہ کسی گناہ کے باعث اہلِ قبلہ کی تکفیر روا نہیں، اس سے نرا قبلہ کو منہ کرنا مراد نہیں، کہ غالی رافضی جو بکتے ہیں کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی میں دھوکا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کی طرف بھیجا تھا، اور بعض تو مولیٰ علی کو خدا کہتے ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھیں، مسلمان نہیں۔ اور اس حدیث کی بھی یہی مراد ہے، جس میں فرمایا کہ جو ہماری سی نماز پڑھے، اور ہمارے قبلہ کو منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے''، یعنی جب کہ تمام ضروریاتِ دین پر ایمان رکھتا ہو، اور کوئی بات منافی ایمان نہ کرے۔''

(تمہید ایمان، ص ۳۰ تا ۳۲)

فکر رضا اور فکر سید ایوب ابدالی میں ہم آہنگی کی خاطر ایک بار پھر ہم حضرت ابدالی علیہ الرحمہ کا رد المحتار کے حوالے سے پیش کردہ جملہ دہرا دیں کہ:

''جملہ ضروریاتِ اسلام سے کسی چیز میں خلاف کرنے والا بالا جماع کافر ہے، اگرچہ اہلِ قبلہ سے ہو، اور تمام عمر طاعت میں بسر کرنے والا بھی۔''

□□□

عقائد شرفی: ایک مطالعہ

مولانا غلام سرور قادری: القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

عمارت کی مضبوطی اور کمزوری بنیاد پر منحصر ہے اگر بنیاد مضبوط وقوی ہوگی تو عمارت بھی اسی معیار کی ہوگی اور ضعیف و کمزور ہوگی تو عمارت کی مضبوطی کا تصور بے بنیاد ہے یہی وجہ ہے کہ معمار عمارت تعمیر کرتے وقت اس بات کا ضرور خیال رکھتا ہے کہ بنیاد کمزور نہ ہو کیونکہ عمارت کی مضبوطی اور کمزوری کا سارا دارومدار بنیاد پر ہے اگر بنیاد نہ ہو تو ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا جانتا ہے کہ بغیر بنیاد کے عمارت کی تعمیر ممکن نہیں اور بنیاد کمزور ہو تو اولاً زیادہ اونچی عمارت تعمیر نہیں ہوسکتی ثانیاً جو تعمیر بھی ہوگی اس میں استقرار و استحکام کی کوئی ضمانت و گارنٹی نہیں کہ کب تک عمارت قائم رہ سکتی ہے۔

دنیا آخرت کی کھیتی ہے، آخرت دار الجزاء اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال صالحہ عقبیٰ کی تیاریاں ہیں لیکن ان اعمال کی اصل اور بنیاد ایمان وعقیدہ ہے بے ایمان وعقیدہ اعمال صالحہ کی عمارت تعمیر نہیں ہوسکتی سب کے سب مردود ومحبوط ہوجائینگے اور جس قدر ایمان وعقیدے کی سلامتی و پختگی ہوگی اعمال کی عمارت بھی اسی طرح مضبوط و مستحکم ہوگی۔

اور یہ بھی مبنی بر حقیقت ہے کہ مدار مغفرت ونجات ایمان و عقیدہ کی درستگی ہے اعمال نہیں۔ کیونکہ خود اعمال کی مقبولیت موقوف ہے عقیدہ و ایمان کی درستگی پر۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى اور جو اس کے (اللہ) حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں تو انہیں کے درجے اونچے (کنز الایمان سورہ طہ آیت نمبر ۷۵)، مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ جو اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اسے اچھی زندگی جلائینگے اور ضرور انہیں انکا نیگ (اجر) دینگے جو ان کے سب کے بہتر کام کے لائق ہو (کنز الایمان النحل آیت ۹۷)، وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّلَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ بولے وہ جنہیں علم دیا گیا خرابی ہو تمہاری اللہ کا ثواب بہتر ہے اس کے لئے جو ایمان لائے اور اچھے کام کرے اور یہ انہیں کو ملتا ہے جو صبر والے ہیں (کنز الایمان، القصص، آیۃ ۸۰) اور اللہ کے نبی ﷺ کی حدیث پاک ہے عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ اَبْيَضُ وَهُوَ نَائِمٌ ثُمَّ اَتَيْتُهٗ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ فَقَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ اَلَا ذَالِكَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قُلْتُ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ قَالَ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس حال میں کہ سرکار ﷺ سفید کپڑا زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور آرام فرماتے تھے پھر میں حاضر ہوا تو سرکار ﷺ بیدار تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ بندہ جو کلمہ طیبہ پڑھے (یعنی ایمان والا ہو) اور اسی

پر اس کا خاتمہ ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگا میں نے عرض کیا اگر چہ وہ زنا کرے اگر چہ وہ چوری کرے حضور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (ہاں) اگر چہ وہ زنا کرے اگر چہ وہ چوری کرے (اسی طرح تین مرتبہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اور ہر مرتبہ مالک جنت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب ارشاد فرمایا) (مشکوۃ شریف کتاب الایمان صفحہ ۱۴)

ان آیات کریمہ اور حدیث پاک سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اعمال صالحہ ایمان ہی کے ذریعے مفید و مقبول ہیں بغیر ایمان کے اعمال پہاڑ کے بھی بنا دیئے جائیں تو سب راکھ ہیں، سراب ہیں، بیکار ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مقدس ہے وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اور جنھوں نے ہماری آیتیں اور آخرت کے دربار کو جھٹلایا ان کا سب کیا دھرا اکارت گیا انہیں کیا بدلہ ملے گا مگر وہی جو کرتے تھے (کنز الایمان، الاعراف آیۃ ۱۴۷)، وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا اور جو کچھ انہوں نے کام کئے تھے ہم نے قصد فرما کر انہیں باریک باریک غبار کے بکھرے ہوئے ذرے کر دیا کہ روزن کی دھوپ میں نظر آتے ہیں (کنز الایمان، الفرقان، آیۃ ۲۳)، عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً کام کریں مشقت جھیلیں جائے بھڑکتی آگ میں (کنز الایمان، الغاشیہ، آیۃ ۳، ۴)

آپ ایمان و اعمال کے درمیان فرق اور یمان کی حیثیت و اہمیت اس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں کہ ایمان نور ہے اعمال سواری ہے جب انسان اعمال پر سوار ہو کر ایمان کے نور سے چلتا ہے تو راہ منزل نظر آتی ہے کہ ہر سواری کے ساتھ نور (روشنی) لازمی ہے تاریک راستے میں بغیر نور کے ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں ملتا اعمال کی سواری کتنی ہی مضبوط اور تیز رفتار کیوں نہ ہو ایمان کے نور کے بغیر منزل مقصود کی سمت بھی نہیں پا سکتے۔

ایمان و عقیدہ وہ عظیم ترین دولت ہے جس کی ہمسری و برابری دنیاوی دولت ہرگز نہیں کرسکتی اور یہی وجہ ہے کہ اس دولت کی حفاظت و صیانت کی تنبیہ ہر دور کے علمائے اہلسنت اور بزرگان دین نے کی اور اپنی تقریر و بیان، تحریر و تصنیف وغیرہ کے ذریعے اس کی حقانیت و صداقت اور اہمیت کو اجاگر کرتے رہے چنانچہ سلطان العارفین حضور سیدی ابوالحسین احمد نوری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں "میرے عزیز اللہ تعالیٰ تمہیں صالح بنائے یہ بات ہمیشہ نشیں رکھو کہ عقیدہ کی درستگی اصل کار ہے (اسی پر تمام اعمال صالحہ کا دارومدار) اور عقائد کا فساد (بگاڑ) غضب خدائے جبار کا موجب اور دخول نار (جہنم میں داخلہ) باعث ہے والعیاذ باللہ العزیز الغفار روئے زمین پر خواہ کتنا ہی عبادت گزار تارک الدنیا شمار کیا جائے منزل کا سراغ نہیں پا سکتا اسے یوں سمجھو کہ کعبہ معظّمہ کا قصد و ارادہ رکھنے والا جب اسے پشت پر رکھ کر آگے قدم بڑھائے گا تو جتنا دوڑے گا اتنا ہی خانۂ کعبہ سے دور ہوگا اس لئے یہ بات لازم ہے کہ اولاً اپنے تمام عقائد مذہب مہذب اہلسنت والجماعت حفظ اللہ تعالیٰ (اللہ انہیں اپنی حفاظت میں رکھے) کے مطابق درست کرکے ایسا سنی بن جائے کہ اسکا سنی ہونا (اپنوں اور غیروں میں) مسلم ہو اس کے بعد اصلاح باطل (وتزکیہ نفس) کی جانب متوجہ ہو کر اس راہ میں قدم رکھے اس لئے کہ معرفت الٰہی عقائد اہلسنت کو اختیار کئے بغیر ناممکن ہے (شریعت و طریقت، صفحہ ۴۹)

"عقائد شرفی" ایمان وعقیدہ کے مسائل پر مشتمل ایک مستند و معتبر کتاب ہے جو حضرت مخدوم جہاں سلطان المحققین شمس العارفین شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری قدس سرہ کے لکھے ہوئے ملفوظات میں سے ایک ہے جو فارسی میں لکھی گئی ہے ترجمہ و تحشیہ کا کام خانقاہ قادریہ ابدالیہ فردوسیہ صوفیہ اسلام پور نالندہ بہار کے سجادہ نشیں حضرت مخدوم سید شاہ ابوالخیر موسیٰ المدعو بہ محمد ایوب ابدالی فردوسی اسلام پوری قدس سرہ نے انجام دیا جس سے مشمولات کی مزید وضاحت اور خواص کے علاوہ ہر اردو داں طبقہ کے لئے فائدہ اٹھانے میں آسانی ہوگئی ہے خود حضرت مترجم و محشی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "عزیز دینی ابوالبرکات المدعو بہ حکیم تجمل حسین صاحب فردوسی ساکن بیگنا ضلع پورنیہ اور دوسرے احباب کے اسرار سے "عقائد شرفی" تصنیف مخدوم جہاں سلطان المحققین

شرف الدین احمد یحییٰ قدست اسرارھم کا ترجمہ اس ننگ اسلاف فقیر ابوالخیر موسیٰ المدعو بہ محمد ایوب ابدالی ابن سید علی ابن فرزند علی منیری نے کان اللہ لہ نے کیا اصل عبارت سے ترجمہ کو دور نہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے حاشیہ سے وضاحت نکالی ہے۔

اس کے مرتب حضرت مترجم علیہ الرحمہ کے بڑے صاحبزادے حضرت ڈاکٹر سید شاہ محمد طیب ابدالی علیہ الرحمہ ہیں حضرت مخدوم جہاں کی یہ منفرد المثال کتاب پہلی مرتبہ منظر عام پر آئی ہے۔اس کی تاخیر کی وجہ نامعلوم ہے۔عالی جناب سید شاہ شہاب الدین ابدالی فردوسی ابتدایہ کلمات میں لکھتے ہیں:

> ''کچھ روز قبل جب دار الشرف گیا میں والد مرحوم حضرت سید شاہ طیب ابدالی علیہ الرحمہ کی ایک الماری صاف کر رہا تھا تو ایک نسخہ ہاتھ آیا معلوم ہوا کہ یہ نسخہ کوئی معمولی نسخہ نہیں بلکہ عقائد شرفی کا ترجمہ اور اسکی ترتیب ہے ترجمہ میرے دادا حضرت سید شاہ ایوب ابدالی رحمۃ اللہ کے ذریعہ یہ ہوا ہے اور ترتیب میرے والد حضرت سید شاہ طیب ابدالی علیہ الرحمہ کے ذریعے سے مسودہ چھپا کیوں نہیں اس کی وجہ نامعلوم ہے،لیکن یہ جب میری نظر میں آیا تو میں نے اسے کتابی شکل دیکر عام لوگوں کو دستیاب کرنا اپنا فرض جانا۔(صفحہ،۷)

یہ کتاب ترسٹھ صفحے پر مشتمل ہے ابتدائی چند صفحات چھوڑ کر اصل کتاب صفحہ گیارہ سے شروع ہوتی ہے جس میں ایک تمہید انیس فصول اور ایک خاتمہ ہے۔تمہیدی کلمات میں ایک مقام پر حضرت مخدوم جہاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں''اور ایمان رکھتا ہوں اللہ پر اور تمام فرشتوں پر اور تمام کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر اور قیامت کے دن پر اور پسند کیا میں نے مسلمانی دین اور جو کچھ دین اسلام میں ہے اور ناپسند کیا میں نے دین کافری اور جو کچھ کفر و کافری کے دین میں ہیں (صفحہ ۱۲)

حضرت مخدوم جہاں کے مذکورہ قول کی تشریح کرتے ہوئے حضرت محشی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں''لَا خِلَافَ فِيْ ضَرُوْرِيَاتِ الْاِسْلَامِ، وَاِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْقِبْلَةِ اَلْمُوَاظِبُ طُوْلَ عُمُرِهٖ عَلَى الطَّاعَاتِ جملہ ضروریات اسلام سے کسی چیز میں خلاف کرنے والا بالاجماع کافر ہے اگر چہ اہل قبلہ اور تمام عمر طاعت میں بسر کرنے والا ابھی (رد المحتار وشرح تحریر للامام الھمام) حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے ایمان کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا ایمان زبان سے اقرار کرنا اور عمل سے تصدیق کا نام ہے اس کے بعد آپ نے اس بیان کی شہادت میں آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ پاکی یہ نہیں ہے کہ تم پورب اور پچھم منھ کرو لیکن پاکی یہ ہے جو اللہ اور قیامت اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے (سورہ بقرہ) مذکورہ قول کی تشریح اُن ناواقفین کے لئے تازیانہ عبرت ہے جو کہتے ہیں کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرنا چاہئے خواہ وہ کیسا ہی عقیدہ رکھے اور کچھ بھی کرلیکن صحیح اور درست یہ ہے کہ جب اہل قبلہ میں کوئی وجہ کفر پائی جائے یا اس سے کوئی موجب کفریات صادر ہو تو حکم کفر عائد ہوگا۔ایسے خیالات کے حاملین کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ انکی سوچ وفکر شریعت اور بزرگوں کی تشریحات کے مطابق ہے یا مخالف۔

۞ پہلی فصل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت وپہچان وغیرہ کا بیان ہے جس میں مثالوں اور دلائل کے ذریعے یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علاوہ کوئی ہستی واجب الوجود نہیں اور وہی پوری کائنات کا خالق ومالک ہے وغیرہ۔

۞ دوسری فصل میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر گفتگو کی گئی ہے اور برہان تمانع وغیرہ کے ذریعے دو یا دو سے زیادہ خدا ہونے کا بطلان اظہر من الشمس ہوگیا ہے وغیرہ۔

۞ تیسری فصل میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا بیان ہے جو اس کی شان کے لائق ہے جیسے حیات علم قدرت وغیرہ۔

۞ چوتھی فصل میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا تذکرہ ہے

جواس کی شان کے لائق اور مناسب نہیں ہے جیسے مجبوری، خرابی اور بے سمجھی وغیرہ۔

❁ پانچویں فصل میں فرشتوں پر ایمان کے تعلق سے بحث کی گئی ہے چنانچہ فرشتوں پر ایمان لانے کے تعلق سے مصنف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں خدائے تعالیٰ پر ایمان کے بعد فرشتوں پر ایمان لانا واجب ہے یعنی سچ اور ٹھیک سمجھا اور دل میں میں نے بٹھالیا اور زبان سے اقرار کرلیا کہ فرشتے خدا کے بندے اور اس کے کام کرنے والے اور حکم ماننے والے ہیں کچھ بھی بے حکم الٰہی نہیں کرتے اور ہرگز نافرمانی اپنے سے درست نہیں سمجھتے (صفحہ ۲۲)

❁ چھٹی فصل میں ہے کتابوں اور صحیفوں پر ایمان کے تعلق سے تفصیلی بیان ہے چنانچہ مصنف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں فرشتوں پر ایمان کے بعد کتابوں پر ایمان بھی فرض ہے اسی دلیل قاطع سے جو آیت اوپر میں گذری (صفحہ ۲۴)

❁ ساتویں فصل میں انبیا و مرسلین عظام پر ایمان لانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی و رسول ماننا آپ کی زندگی تمام عالم کے لئے نمونہ عمل ہے، قیامت تک آپ کا دین باقی رہے گا وغیرہ ان چیزوں کا دلائل و براہین کی روشنی میں تفصیلی بیان ہے۔

❁ آٹھویں فصل میں قیامت پر ایمان، عقلی نقلی دلائل کے ذریعے اس کا ثبوت، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھایا جانا، قبر میں منکر نکیر کے سوالات اور عذاب قبر وغیرہ کا بیان ہے۔

❁ نویں فصل میں ایمان کی شرطوں کا تفصیلی بیان اور خبر متواتر، خبر واحد وغیرہ سے ثابت ہونے والے احکام کی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی ہے چناچہ ایمان کی شرطوں کے تعلق سے ایک مقام پر لکھتے ہیں ''ایمان کی شرطیں یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ان پر ایمان لانا فرض ہے اور اس کے بغیر خدائے تعالیٰ کے ساتھ ایمان درست نہیں اور ان سے انکار کرنا کفر ہے انکو ایمان کی صفتیں بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ جو چیز نص قاطع یا حدیث متواتر یا اجماع امت سے ثابت ہے اسے قبول کرے'' (صفحہ ۳۶)

❁ دسویں فصل میں تقلید کی تعریف، اس کی شرعی حیثیت، اس کے منکر کا حکم وغیرہ ان چیزوں کا بیان ہے۔

❁ گیارھویں فصل میں رکن ایمان وغیرہ کا تذکرہ ہے چنانچہ مصنف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زبان اور دل سے اقرار عمل بارکان ہے ہم لوگوں کے نزدیک زبان سے اقرار اور دل سے ماننا (تصدیق) رکن ایمان ہے (صفحہ ۴۱)

❁ بارہویں فصل میں ایمان مجمل اور مفصل وغیرہ کو قرآن وحدیث اور ائمہ کے اقوال کی روشنی میں سمجھایا گیا ہے چنانچہ مصنف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ''جان تو کہ ایمان لانا دو قسم پر ہے مجمل اور مفصل مجمل یہ ہے کہ کہے ایمان لایا میں خدا اور جو کچھ اس نے حکم دیا اور جو چاہا ہے ان سب پر اور میں ایمان لایا رسول پر اور جو کچھ رسول خدا نے کہا ہے اور چاہا ہے۔اس پر ایمان مفصل کی صورت یہ ہے کہ سب شرائط ایمان کو کہے اور جانے (اقرار) اور دل سے مانے (تصدیق) اور اس پر ایمان لائے۔

❁ تیرویں فصل میں ایمان کی کمی اور زیادتی کا بیان ہے ساتھ ہی ائمہ کے اختلاف پھر اپنے موقف کی دلیلیں اور امام شافعی کے قول کا جواب وغیرہ دیا گیا ہے چناچہ لکھتے ہیں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ایمان گھٹتا بڑھتا نہیں لیکن امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ کے نزدیک طاعت سے زیادہ اور نافرمانی سے ایمان گھٹتا ہے۔'' (صفحہ ۴۵)

❁ چودہویں فصل میں ان چیزوں کا بیان ہے کہ اپنے ایمان میں شک کرنے سے وہ ایمان قابل قبول ہے یا نہیں یا دوسرے کے ایمان میں شک کرنے سے انسان کافر ہوتا ہے یا نہیں اور انشا اللہ کے ساتھ یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ایمان والا ہوں اور اس تعلق سے ائمہ کا اختلاف ہے وغیرہ چیزوں کو دلائل کی روشنی میں سمجھایا گیا ہے چنانچہ اپنے ایمان پر شک کرنے کے تعلق سے لکھتے ہیں: ''فقہائے اہلسنت والجماعت اس پر

متفق ہے کہ ایمان میں شک کفر ہے۔ اور ایمان میں شک یہ ہے اللہ اور رسول کو پہچان کر لا الہ اللہ کہے اور دل سے تصدیق کے بعد شک کرے کہ یہ بات میرے ایمان سے ہے یا نہیں یا یہ قول کفر دفاع کرنے والا ہے یا نہیں یہ شبہ ہوگا اور شک کے ساتھ ایمان درست نہیں۔'' (صفحہ ۴۷)

❁ پندرہوں فصل میں ازل میں وعدے کے دن کا ایمان اس تعلق سے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلے کو واضع کیا گیا ہے۔

❁ سولہویں فصل میں ایمان اور اسلام کے درمیان فرق، انکے تعلق سے ائمہ کا اختلاف اور ہر ایک کی دلیل درج ہے۔ حضرت مخدوم جہاں ائمہ کی رائے کے بعد لکھتے ہیں ''لیکن معنیٰ (مفہوم) کی رو سے کچھ فرق نہیں کہ جو مومن نہیں ہے مسلمان نہیں ہے اور جو مسلمان نہیں ہے مومن نہیں اہلسنت والجماعت کے نذدیک۔'' (صفحہ ۵۱)

حضرت محشی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ''الغرض ایمان اور اسکے تقاضے ہیں تو الگ لیکن باہم دیگر اس قدر مربوط بلکہ پیوست ہے ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا اسی لئے بعض فقہا ایمان اور اسلام میں فرق کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے واللہ اعلم بالصواب۔'' (صفحہ ۵۴)

❁ سترویں فصل میں ایمان مخلوق ہے یا نہیں اس تعلق سے قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ وغیرہ کی روشنی میں بحث کی گئی ہے ساتھ ہی ساتھ فقہا اور علما کے درمیان اختلاف کو بھی واضح کیا گیا ہے حضرت مصنف علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: ''اس کے بعد جاننا چاہئے کہ ایمان کی دو نوعیتیں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کے دلوں میں ایمان لکھا ہوا ہے جیسا کے قرآن مجید میں ہے، کتب فی قلوبھم الایمان تو جو خدا کا لکھا ہوا ہے غیر مخلوق ہے اور جو حکم کیا گیا ہے اور بندہ اسکے ساتھ محکوم ہے یہ ایمان مخلوق ہے۔'' (صفحہ ۵۵)

❁ اٹھاریوں فصل ایمان کی جگہ کے تعلق سے تفصیلی بحث کی گئی ہے چناچہ لکھتے ہیں سب لوگوں کے نزدیک ایمان کی جگہ دل سے زبان تک ہے دل اعتقاد (تصدیق) کی جگہ ہے اور زبان اظہار (اقرار) کی اور یہ دونوں ایمان کے رکن (شرط) ہیں۔'' اور انتقال کے بعد ایمان کا تعلق جسم سے رہتا ہے یا روح سے یا دونوں سے اس تعلق سے لکھتے ہیں: ''جب سوال ہو کہ مومن کا ایمان مرنے کے بعد جسم سے تعلق رکھتا ہے یا روح سے یا دونوں سے تو جواب یہ ہے کے ایمان تو اللہ کا حکم ہے، جسم اور روح سے تعلق نہیں لیکن آدمی کا جسم اور روح دونوں مومن ہیں حیات کی حالت میں ایمان کے ساتھ جسم اور روح کے ساتھ جدا جدا یا دونوں میں مشترک نہیں لیکن بندہ ایمان کے حکم میں خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہے تو بندہ اور بندہ کا ایمان دونوں خدا کے حکم سے علاقہ رکھتا ہے جب تک خدا چاہے۔'' (۵۸)

❁ انیسویں فصل میں مومن گناہ کبیر کی وجہ سے کافر ہوتا ہے یا نہیں اس تعلق سے قرآن وحدیث کی روشنی میں بحث کی گئی ہے، اور اس تعلق سے اہلسنت والجماعت کے مذہب کو صاف و شفاف فرمادیا ہے اور ساتھ ہی خوارج وغیرہ کی بھرپور تردید کی گئی ہے جنھوں نے کہا ہے کہ گناہ کبیر کا مرتکب کافر ہے، حضرت محشی علیہ الرحمہ اہلسنت وجماعت کے موقف کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اہل سنت کے نزدیک (بندہ) مومن گناہ سے کافر نہیں ہوتا رکن ایمان کے باقی رہنے کے سبب کہ وہ اقرار اور تصدیق ہے۔'' (صفحہ ۶۱)

خاتمہ میں حضرت مترجم قدس سرہ نے سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں بشکل اشعار استغاثہ اور فریاد کی ہے۔

الغرض یہ کتاب ایمان وعقیدے کے مسائل کے تعلق سے بہت ہی مفید ارمعرکۃ الاراء ہے جس سے اہل سنت والجماعت کے عقائد کی صداقت آئینہ ہوگئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

□□□

شاہ ایوب ابدالی: ذکر و فکر کے تناظر میں

ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی: القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

اسلام میں ذکر واذکار پسندیدہ عمل ہے۔ اس سے رب العالمین کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ ہمیشہ اس کے ذکر واذکار میں مشغول رہے۔ اور صبح وشام تسبیح وتہلیل کرتا رہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وتسبحوا ہ بکرۃ واصیلا، وہ ہستیاں روئے زمین پر قابل مبارک باد ہیں جن کے اوقات وایام حمد الٰہی میں بسر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ جو ساعت بغیر ذکر کے گذر گئی قیامت میں اس پر بڑی حسرت وندامت ہوگی۔ اسلام کے تمام فرائض مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا مقصد یہی ہے کہ زندگی کا ہر لمحہ پابند ذکر الٰہی ہو جائے۔ صد حیف حرماں نصیبی ہے کہ آج کل مسلمان کہلانے والے ہر آن اور ہر لمحہ تو کجا پنج وقتہ فرائض کو بھی ادا کرنے میں اتساہلی برتتے ہیں۔ اور دنیا واخروی خسران کا سامان مہیہ کراتے ہیں۔ جہاں دنیا میں غفلت شعاروں کی کمی نہیں وہیں طویل ریاضت کرنے والے وفا کیشوں کا قافلہ بھی ذکر الٰہی کی راہ پر بڑی سبک روی سے رواں دواں ہے۔ وہ نہ صرف فرائض وواجبات ہی اپنے وقت پر ادا کرتے ہیں بلکہ رات کی نیند کو عبادت پر قربان کر دیتے ہیں اور دن کو بھی یاد الٰہی سے معمور کرتے ہیں صوفیا کی ان جماعتوں میں ایسی ایسی ہستیاں ہیں جنھوں نے ایک ایک رکعت میں برسوں پورا قرآن ختم کیا ہے۔ اور بعض صوفیاء ایک رات میں چار چار سو رکعات نفل ادا کیے ہیں۔ جہاں رمضان شریف کے روزے ترک کرنے والے کم نصیب مسلمان ہیں وہیں پورے رمضان بغیر کھائے صوم وصال رکھنے والے مرد میدان بھی ہیں۔ جیسا کہ ابونصر سراج صاحب اللماع اور سہل عبداللہ تستری علیہما الرحمہ۔ صوفیاء کرام نے نفس کشی کے لیے مختلف طریقے مختلف سلاسل میں رائج کیا ہے۔ ریاضت کے طریقے اگر چہ مختلف ہیں مگر سب کا مقصد ایک ہے کہ خود کو فنا کر کے معرفت خداوندی حاصل کرلیں۔ ان کا یہ طریقۂ عبادت وریاضت جہاں ان کے لیے علو مرتبت کا باعث بنا وہیں ان کی سیرت وسوانح لکھنے والوں کے لیے۔ قابل توجہ بھی رہا۔ چنانچہ صوفیا کے درمیان اذکار واشغال باضابطہ تصوف کے اصطلاحات ہیں جن پر قلم کاروں نے نہ جانے کتنی سیاہیاں قربان کی ہیں اور نہ جانے کتنے اوراق رنگین کی ہیں سب سے پہلے صوفیا کے یہاں رائج اعمال کو الفاظ بحث کا مکمل جامہ ابونصر سراج نے کتاب اللماع میں پہنایا ہے۔ مگر وہاں مختلف سلاسل کا ذکر نہیں ہے اس لیے کہ یہ سلاسل اپنی موجودہ صورتوں کے ساتھ اس وقت وجود میں بھی نہیں آیا تھا۔ ہندوستان کے مشہور عالم شاہ ولی اللہ دہلوی نے الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں جہاں مختلف سلاسل کے بانیین اور متقدمین کا ذکر کیا ہے وہیں اس سلسلے میں رائج طریقۂ اذکار واشغال بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے جہاں سلسلے کی خصوصیت واضح ہوتی ہے وہیں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کون سلسلہ ان اعمال واشغال پر زور دیتا ہے۔

''ذکر وفکر'' کے مؤلف حضرت ایوب شاہ ابدالی فردوسی

علیہ الرحمہ نے بھی اردو زبان میں سلاسل کے عروج وارتقاء سے قطع نظر اعمال واشغال کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔ ابتداء ا انہوں نے ذکر الٰہی کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اس ضمن میں حضرت شیخ ابو الحسن کا قول نقل کیا ہے۔ لکل شئ عقوبۃ وعقوبۃ العارف انقطاعہٗ عن الذکر، یعنی ہر چیز کی پریشانی ہے اور عارف کی پریشانی ذکر سے جدا ہونا ہے۔ (صفحہ ۱۷)

اس اہمیت ذکر پر روشنی ڈالنے کے بعد ذکر کے اقسام کو اپنا موضوع بحث بنایا ہے۔ اور اس کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ''ذکر کے چار طریق ہے ایک تو صرف زبان کہ دل کو اس سے علاقہ نہ ہو۔ دوسرا زبان اور دل دونوں سے اور کبھی کبھی دل غافل بھی ہو۔ تیسرا زبان اور دل ایک ہو جائے چوتھا زبان سے دل میں اس طرح سرایت کر جائے کہ زبان خاموش اور دل ذاکر ہو۔ کہ زبان دوسری طرف مشغول اور دل ذاکر ہو۔ (صفحہ ۹)

ذکر کے اقسام بیان کرنے کے بعد ذکر کا طریقہ کار کیا ہوگا اس عنوان سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اول دل فارغ ہونا خیال اور اشغال سے۔ دوسرے چوتھائی یا تہائی حصہ کھانا پانی سے پیٹ ہمیشہ خالی رکھنا۔ تیسرے چارۂ کار کے سوابات نہ کرنا۔ جھوٹ اور غیبت سے پرہیز کرنا۔ چوتھے ملازمت ذکر ہر وقت صوفیائے کرام نے اقسام شرائط کے پابندی کر کے بلند و طویل ریاضتیں کی ہیں۔ تقریباً تمام سلاسل کی تاریخ میں ان جاں گسل ریاضتوں کا ذکر ہے۔ مؤلف نے اپنے تالیف میں سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، ابو العلائیہ، نقشبندیہ، مجددیہ، قلندریہ، مداریہ، طیفوریہ، اویسیہ، سہروردیہ اور زاہدیہ کے اذکار واشغال کو متعارف کرایا ہے۔ یہ کتاب ہر سلسلے سے وابستہ اہل ارادت کی رہنمائی کرنے والی ہے۔ کسی بھی سلسلے کا مرید اس کتاب سے طریقۂ اشغال واذکار سیکھ سکتا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف مرید بلکہ بہت سے شیوخ کے لئے بھی مفید اور معلوماتی ہوگی۔

صفحہ 15 کا بقیہ

اور اپنے اپنے نظریہ وتحریک کو فوقیت دیتے ہوئے اتنے شعبوں میں بانٹ دیا کہ ان کے نزدیک صوفیانہ لائحہ عمل اور خانقاہی آداب نوازی کی کوئی ضرورت نہ باقی رہ گئی ان راہوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے لیکن اسلامی خدمات کے ذائقہ سے زیادہ متاثر ہونے لگے ہیں یہی سبب ہے کہ مجھے تصوف کی تبلیغ ودعوت اور خانقاہی آداب کے تحفظ سے کوئی بغض وعناد نہیں مگر فائدہ کس کو پہونچ سکتا ہے یہ وراثت نہیں تصوف کے حق میں نہ کچھ زبان کی ہی اور نہ ہی حکم اپنا فریضہ نبھاتا ہے کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ میرا بیشتر عمل تصوف وشریعت ہی سے وابستہ رہتا ہے فرق اتنا ہے کہ صوفی جب عالم استغراق ومراقبہ میں ہوتا ہے تو اسے انوار الٰہی دکھائی دیتا ہے اور جب غیر صوفی آنکھ بند کرتا ہے زر داروں کی فہرست دکھائی دینے لگتی ہے یہی وجہ ہے کہ کا۔۔۔ جس گھر سے محلہ وار جس علاقے میں یہ عقیدہ افرار شکل سے دی کی رہتے تھے آج بے شمار عماتوں، درسگاہوں اور تقریروں کے بار بور باغیان رسول کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ عشق ومحبت کا دیوانہ بنانے، خشیت الٰہی کو اجاگر کرنے اور عقیدہ برحق کے فروغ کہئے تقویٰ وطہارت احتیاط وانکساری حسن اخلاق اور لگاتار متصوفانہ قدروں کی ضرورت ہوتی ہے بڑی بڑی عمارتوں کی نہیں۔ جو شخص ساری زندگی تعمیرات کے اہتمام وانتظام کرے زرداروں کے سامنے بار بار دامن طلب پھیلانے اور ان کی قصیدہ طرازی میں گذارتا رہے گا وہ تصوف اور تقویٰ وطہارت کے چراغ کیسے دلا سکتا ہے۔

تصوف کے تعلق سے بعض ایسے افراد بھی اپنے شوق میں مصروف رہتے ہیں جو روح تصوف اور اصل برکات کا ذکر کرنا جانتے ہی نہیں۔

☆☆☆

شاہ ایوب ابدالی: اوراحسان وسلوک

ڈاکٹر محمد امجد رضا امجدؔ: القلم فاؤنڈیشن پٹنہ

اسلام دین حسن ہے عقل کی آنکھ پر پٹی نہ بندھی ہو تو کیا مسلم کیا غیر مسلم، سب کو اس کا اعتراف ہوگا کہ اس سے بہتر جامع اور مکمل دین کا تصور کیا ہی نہیں جا سکتا اور اب یہ ممکن بھی نہیں کہ الیوم اکملت لکم دینکم کا مژدہ جانفزا آچکا۔ اور خالق کائنات نے اسے اپنا پسندیدہ دین قرار دے دیا ان الدین عند اللہ الاسلام۔

اسلام وہ دین فطرت ہے جس نے بنی نوع انسان کے فلاح وبہبود اور دنیا وآخرت میں کامیابی کی تعلیم دیتا اور اس کے طریقے بتاتا ہے۔ وہ انسانوں کو دنیا میں مسافر کی طرح زندگی گذارنے کی تلقین کرتا ہے مگر دنیا سے جائز نفع اُٹھانے سے منع نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی صلاحیتوں سے کائنات میں خیر کی بہار لانے کا پیغام دیتا ہے۔ اس کی نگاہ میں حسن وجمال کی اہمیت ہے اس لئے اس کے ہر حکم میں حسن اعتدال اور توازن کی تعلیم ہوتی ہے۔

اسلام نے معمولی عمل کو بھی حسن وخوبی سے انجام دینے کی تعلیم دی ہے۔ جانور ذبح کرتے وقت بھی ایک حسن انتظام کا خواہاں ہے۔ مردہ کو قبر میں رکھنے اور قبر بنانے میں بھی چاہتا ہے کہ حسن برقرار رہے۔ جہاں عمومی حالات میں اسلام حسن انتظام کا قائل ہے وہیں ایمان اور عمل میں بھی احسان کو پسند کرتا ہے۔ اس بات کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جب تمام فرائض وواجبات کے احکام نازل ہو گئے تو حدیث ام السنہ یا حدیث جبرئیل زبان رسالت سے نکلی کہ ایمان وعمل کا حسن یہ ہے کہ ان تعبدواللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ ہو سکے تو اتنا خیال رکھو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ بعض صوفیاء ایسے گذرے ہیں جن کی حالات زندگی میں ذات باری کی زیارت قلبی کا واقعہ ملتا ہے۔ ان کے ایمان وعمل میں یہ حسن طویل مجاہدہ اور ریاضت شاقہ سے پیدا ہوا ہے۔ انہوں نے نفس کشی کی ایسی تاریخ لکھی ہے کہ دنیا دار اس کی تاب نہیں لا سکتے۔ یہ انہیں کی ذات تھی جو اس راہ سے گذر گئے ورنہ

ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں؟

حضرت سید شاہ ایوب ابدالی کی تصنیفات میں ایک "احسان وتصوف" بھی ہے جو ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں اس موضوع پہ عمدہ اور قابل قدر مضامین موجود ہیں طالب حق کے لئے اس میں شاہ صاحب قبلہ نے اجمالا بہت کچھ جمع کر دیا ہے۔ کتاب کے مرتب ڈاکٹر سید شاہ طیب ابدالی ہیں ۲۰۱۶ میں یہ کتاب خانقاہ صوفیہ اسلام پور نالندہ سے منظر عام پہ آئی ہے۔

اس کتاب میں خاتمہ کو ملا کر کل ۸ر موضوعات ہیں جو اس طرح ہیں

اعیان ثابتہ، ثبات توارث نسبت طریقت، حکمت بیعت، سند بیعت، اقسام بیعت، برزخ شیخ، شریعت طریقت حقیقت، خاتمہ۔

جب کہ برزخ شیخ کے ضمن میں ''خلوت جنید کی شرط ششم، اقتباس از مصطلحات مولفہ صوفی منیری'' اور شریعت طریقت حقیقت کے ضمن میں ''اقتباس از خلافت نامہ حضرت شیخ ابن مصطفیٰ، ترجمہ رسالہ مظفریہ'' شامل ہے۔

طریقت کی راہ کا سنگ میل بیعت وارشاد ہے۔ طالب بغیر

مرشد کے اس راہ کو طے نہیں کرسکتا۔ بیعت کا ثبوت عام طور سے مانگا جاتا ہے۔ حضرت شاہ ابدالی صاحب نے حوالاجات سے مزین بیعت کا ثبوت اور اس کے اقسام ذکر کیے ہیں انہوں نے آیات کریمہ یاایھا الذین آمنو اتقواللہ وابتغوا الیہ الوسیلہ سے بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہاں وسیلہ سے مراد ارادت اور بیعت مرشد کی ہے۔ بیعت کے اقسام ''شفاء العلیل'' سے اخذ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے:

''جان تو کہ جو بیعت صوفیوں میں متوارث ہے وہ کئی طریق پر ہے۔ پہلا طریق بیعت توبہ ہے۔ دوسرا بیعت تبرک ہے، یعنی بقصد برکت صالحین کے سلسلے میں داخل ہونا۔ بمنزلہ سلسلہ اسناد حدیث کے ہے اور بے شک اس میں برکت ہے۔ اور تیسرا طریقہ بیعت تاکد عزیمت ہے۔ یعنی عزم مصمم کرنا واسطے خلوص امر الٰہی اور ترک منہی کے ظاہر اور باطن سے۔ اور تالیق دل کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور یہی اصل ہے۔'' (۱۴)

مرید ہونے کے بعد آدمی جس مرحلے کو پہلے طے کرتا ہے وہ شیخ کی محبت اور اس کے تصور میں کھونا ہے۔ بقیہ آگے کی منزل شیخ طے کراتے ہیں تصور شیخ بھی بعض افراد کو شرک لگتا ہے۔ حضرت شاہ ابدالی علیہ الرحمہ نے ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا:

جاننا چاہئے بعض لوگوں نے مثل صاحب زاد المتقین اور مولوی عبد العزیز عظیم آبادی نے کتاب نظم البیان اور مولوی اسمٰعیل صاحب (دہلوی) کی کتاب ''صراط مستقیم میں از جملہ شغال مبتدعہ میں شغل برزخ قرار دیا ہے اور حرام لکھا ہے''

لکھ کر مولانا عبد الحی فرنگی محلی کے مجموعہ فتاویٰ سے اس کا طویل جواب نقل فرمایا ہے اس میں یہ بھی ہے:

''مرید کا اعتقاد یہ ہونا چاہیے کہ ذات باری کا وہ مظہر میرا شیخ مجھ پر فیض ربانی کا واسطہ ہے اور مجھے اسی کے واسطے سے فیض حاصل ہوسکتا ہے۔ دوسرا کوئی بھی فیض کا دروازہ نہیں بن سکتا۔ اگر چہ ساری دنیا مشائخ سے بھری پڑی ہو۔'' (صفحہ ۲۱)

مکمل جواب کتاب کے صفحہ ۱۷ سے صفحہ ۲۳ تک پھیلا ہوا ہے۔ جسے طالب حق وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اسی کتاب میں آپ نے حضرت صوفی منیری قدس سرہ وافاض اللہ علینا برہ کی تالیف مصطلحات سے بنظر استفادہ کچھ اقتباس نقل کئے چنانچہ لکھتے ہیں:

مرید کو چاہیے کہ شیخ کے تصور میں ڈوب جائے۔ ہر آن شیخ کا چہرہ نگاہوں کے سامنے رکھے اس عمل سے راہ سلوک اس کے لیے آسان ہوجائے گی۔ اور بتدریج وہ قرب الٰہی کے منزل میں پہنچ جائے گا۔ یہ تصور کتنا راسخ ہونا چاہیے لکھتے ہیں۔ عشق مجازی کا تو یہ حال ہے جسے کسی خوبرو پر عاشق ہونے والا ہی جان سکتا ہے۔ ہر دم خیال جاناں طلب واشتیاق بڑھاتا ہے اور خیال جاناں ہے کہ ہٹائے نہیں ہٹتا۔ (صفحہ ۲۴)

موصوف نے جہاں بیعت وارشاد اور طریقت کے احوال ذکر کیے ہیں وہیں اس کی سخت تاکید کی ہے کہ کہ بغیر اتباع شریعت کے یہ تمام اعمال گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کسی بھی حال میں شرعی احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔ جو لوگ شریعت چھوڑ کر طریقت کا ڈھونگ کرتے ہیں اس کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے شیخ نجم الدین کبریٰ کا یہ قول نقل کیا ہے:

''فرمایا شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ العزیز نے شریعت کشتی کی طرح ہے اور طریقت دریا اور حقیقت موتی کے مثل ہے۔ جو موتی چاہے کشتی میں بیٹھ کر دریا میں جاکر موتی حاصل کرے۔ طالب کی پہلی ضروری چیز شریعت ہی ہے۔ اور شریعت سے مراد تمام حکم الٰہی ہے۔'' (۳۳)

مؤلف کتاب حضرت مخدوم سید شاہ ابوالخیر موسیٰ المدعو بمحمد ایوب ابدالی فردوسی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کاوش قابل ستائش ہے۔ کہ انہوں نے اہم حوالوں سے شریعت وطریقت اور بیعت ارشاد کی اہمیت پر بحث کیا ہے۔ یہ کتاب سالکین طریقت کے لیے ایک رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول انام فرمائے۔

A SHORT NOTE ON SAYYAD SHAH AYUB ABDALI RAH

Affan Raza khan

Pluratiy of Indian civilization has been put to its place of this gaint community of Sufi Saints.These pious individuals has been blessing this part of the world since way back in the past . Plethera of Sufi were born in bihar ,one among them was Sufi "shah Ayub Abdali R.A.H ".Its has been a priveledge for bihar that his emenance(shah Ayau Abdali R.A.H) was on to theface of this land.He was born in his maternal grandfather's home(khanqa balakhiya firdosya), whis is situated in Fatoha(patna) on 20th of Moharam mul harm of 1324 .His name was 'Musa' and nickname was Ayub.He belong to very famous place of bihar which is"Naland"

He started off learing intial books under the guardianship of his father and learnt 'Persian' Mukhtubatesadi' from syed shah adrafiq R.A.H and the lesson on prerequiote books Arabic he received from Molana Ahmed Kanpuri.He received the knowledge of Quraan from Molana Sher Ali madhpuri .Learned the art of shayeri from Shah Molana Irfan Islampuri.And knowledge of Hadith received from Shakhawat Ali.That's how his educational cycle went on

At the age of 14th his father made him follower (mureed) by silsila firdosia. His peer (his father) gave him permission of all silsila. Total 14 silsilas were permited by him, some of them permited by others .His followers (mureed) would be located in every district of Bihar.

Just as he was fond of Shayeri since childhood,so too his mother.His Grandfather was the student of Mirza galib .His DEEWAN has not been published yet .In addition of being a good Shayer ,he was also a good writer.He had written very important and useful books(like ,Zikro Fikr,Ahsane tasuwef,Aqyed Ashrafi ka tarjuma wo hashia etc.

He got married with elder daughter of Hazrat syed Md Hashim.They had 6 daughters and 6 sons .His sons name are as (1)Dr Syed Shah Tyyeb Abdali (2) Syed Shah Tahah Abdali(3) Syrd Shah Zainul Abiden Abdali (4) shah Mustafa Abdali (5) syed Abuubaida Abdali (6)Janab Wali Allaha Abdali.

He died on 3rd of Rajab 1387. His grave is behind his father's grave.

Now I am summing up by these words that we should take moral from such legendry character and We should follows them to get success in life.

□□□

تجلیات مناقب

فقیہ وصاحب عظمت حضور شاہ ایوب

ڈاکٹر سید شاہ شمیم گوہر الٰہ آبادی

فقیہ وصاحب عظمت حضور شاہ ایوب
فدائے حب رسالت حضور شاہ ایوب

ضیائے شمع صداقت حضور شاہ ایوب
نقیب ورہبر ملت حضور شاہ ایوب

مرید واہل عقیدت کثیر ہر جانب
نثار خوشبوئے جنت حضور شاہ ایوب

بہ شعر گوئی تخلص از اسم نیّر بود
شعاع فکر وفراست حضور شاہ ایوب

سخنوران زمانہ کنند فخر برآں
فروغ بزم بلاغت حضور شاہ ایوب

امیر فقہ وادب عالم کتاب وحدیث
تجلی رہ سنت حضور شاہ ایوب

مقالہ بہر پی، ایچ، ڈی، تمام کرد کسے
متاع اہل فراست حضور شاہ ایوب

بہ قبر آں بشود رحمت خدا نازل
بود قبول عبادت حضور شاہ ایوب

آں آشنائے علوم وفنون گوہرؔ بود
بلندی سر ملت حضور شاہ ایوب

□□□

بڑوں سے ہے ترا رتبہ بڑا ایوب ابدالی

وارث اسلام پوری
9097743578

بڑوں سے ہے ترا رتبہ بڑا ایوب ابدالی
ہے شاہ وقت بھی در کا گدا ایوب ابدالی

ہے اپنی زندگی بھی بے مزہ ایوب ابدالی
کرم کر دیجئے بہر خدا ایوب ابدالی

نگاہیں دید کی خاطر ترستی ہیں زمانے سے
دکھا دو اپنا تم جلوہ ذرا ایوب ابدالی

ہمارے سر پہ کر دو سایہ رحمت خدا را تم
ہمارے ہو تمہیں اک آسرا ایوب ابدالی

سبھی ہیں آپ کے اس شہر جاں میں چاہنے والے
ہے سب کو آپ کی مدحت روا ایوب ابدالی

دیوانے چاہتے ہیں آپ کے بس آپ کچھ قربت
دیوانوں کچھ سنی جائے سدا ایوب ابدالی

نہیں کچھ چاہیے اس کے علاوہ آپ کے در سے
سبھی آئے ہیں بس لینے دعا ایوب ابدالی

مریدان فسردہ آچکے ہس تنگ دنیا سے
محبت دیجئے اپنی ذرا ایوب ابدالی

تقاضائے محبت ترغیب دیتا ہے
چلے وارث سبھی رستہ آپ کا ایوب ابدالی



مری تسبیح میں دیکھو سبھی دانے ہیں نیّر کے

مظفر ابدالی

بہر سو اب تو بستی میں پری خانے ہیں نیّر کے
جسے ملئے وہ کہتا ہے کہ دیوانے ہیں نیّر کے

نہ جانے کیسا رتبہ ہے کہ رتبے سرنگوں ہیں خود
کرشموں سے منور دیکھ ویرانے ہیں نیّر کے

چلو دو چار قطرہ ہم بھی مانگیں زہد و تقویٰ کے
سنا ہے آج پھر لبریز پیمانے ہیں نیّر کے

قبول ہونا عبادت کا میں اپنی کیوں نہ طے سمجھوں
مری تسبیح میں دیکھو سبھی دانے ہیں نیّر کے

چراغ اب ہوش میں آؤ کسے تم آزماتے ہو
یہ جل کر بھی نہیں مٹتے یہ پروانے ہیں نیّر کے

مجھے دیکھا مجھے چوما نہ پوچھا قبر میں کچھ بھی
فرشتے نے کہا یہ جانے پہچانے ہیں نیّر کے

مظفر کاش تیری بھی رسائی ہو وہاں اک دن
تصوف کے جو پوشیدہ سے تہہ خانے ہیں نیّر کے



سید شاہ ایوب ابدالی سے منسوب چند نوادرات

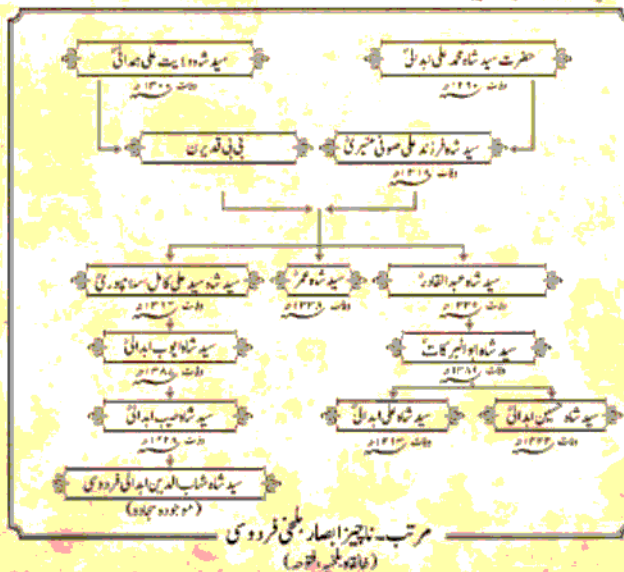
خاندانی نسب نامہ کی ایک جھلک

خاندانی نسب نامہ مع اجازت و خلافت و سجادگی

حضرت ولایت علی ابوالعلائی ہمدانیؒ اپنے وقت کے ایک مشہور و معروف بزرگ ہیں۔ جنکا فیضان نہ کہ صرف صوبہ بہار میں بلکہ ہندو پاک کے کئی علاقوں میں پھیلا۔ انکا نسب نامہ اپنے دور کے مشہور بزرگ سید امام، ثانی امیر کبیر علی ہمدانی سے ہوتا ہوا سیدنا امام جعفر صادقؓ کے واسطے سے رسول اللہ تک جاتا ہے۔ آپ کے خلفا کی ایک طویل فہرست ہے جن میں بالخصوص آپکے داماد و خلیفہ سید شاہ فرزند علی صوفی منیریؒ اور حضرت شاہ جناب حضور امین احمد فردوسیؒ قابل ذکر ہیں۔

سید شاہ فرزند علی صوفی منیریؒ اپنے خاندانی اوصاف و مسلک ظاہری و باطنی کی وجہ سے ممتاز زمانہ ہیں۔ آپ کا خاندان دینی خدمات کی وجہ سے عالم دین میں ایک قابل قدر حیثیت رکھتا ہے۔ آپکا نسب نامہ سید السادات عظیم الدین گیسو دراز دانشمند نیشاپوری سے ہوتا ہوا سید امام زین العابدینؓ کے واسطے سے خاتم النبیینؐ تک پہونچتا ہے۔ حضرت عظیم الدین گیسو دراز مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کے دور میں صوبہ بہار تشریف لائے اور آپ کے مرید و خلیفہ ہوئے۔ فرزند علی صوفی منیریؒ کی تصنیفات کی یوں تو ایک طویل فہرست ہے جو اسلامی، سیرت نبویؐ اور تصوف کے الگ الگ موضوعات پر قلم بند کی گئی ہے۔ سیرۃ الشرف [illegible] آپکی ایک گراں قدر تصنیف ہے جو مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ کی حالات زندگی اور انکی تعلیمات پر مکمل روشنی ڈالتی ہے۔ یہ انکی زندگی پر اردو میں سب سے پہلی کتاب ہے اور اسے ایک مستند تصنیف ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

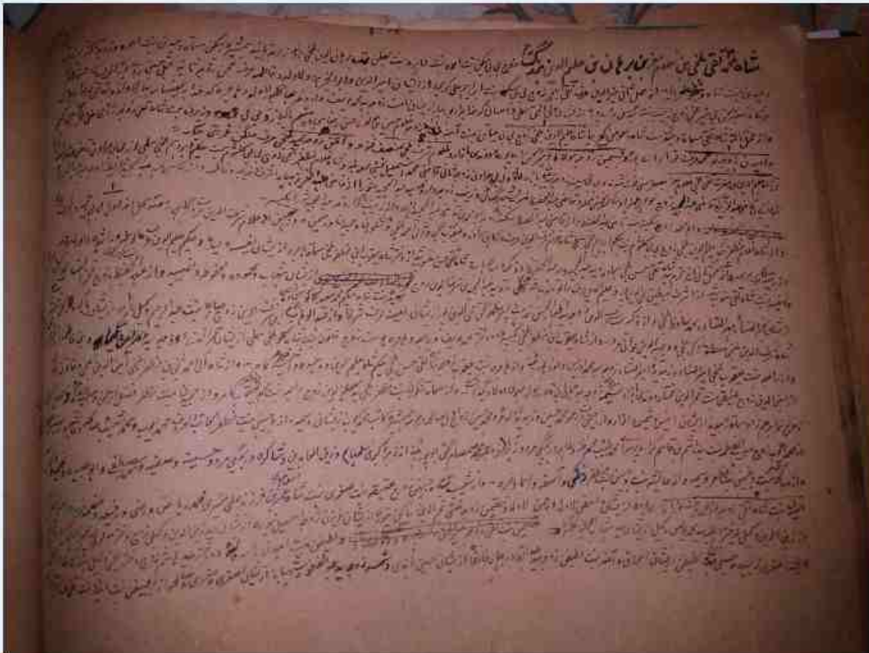
آپ کے بعد آپ کے دو صاحبزادوں سے یہ سلسلہ جاری رہا جس میں آپکے فرزند اکبر سید شاہ عبدالقادرؒ ہیں جو اپنے وقت کے ایک بڑے عالم دین تسلیم کیے جاتے ہیں اور جنہوں نے حضرت ولایت علی ہمدانیؒ کی حالات زندگی اور انکی خصوصیت کو لفظوں میں ڈھال کر ایک کتاب لکھی جو انوار ولایت کے نام سے شائع ہوئی اور مقبولیت کے عروج کو پہونچی۔ آپکے چھوٹے صاحبزادے سید شاہ سید علی کاملؒ اسلام پوری ہیں جو اپنے وقت کے ایک باکمال صوفی اور عامل بزرگ گزرے ہیں۔ آپکی بھی کئی تصنیفات مخطوطات کی شکل میں کتب خانہ صوفیہ، خانقاہ اسلامپور میں موجود ہیں۔



مرتب۔ ناچیز ابصار بلخی فردوسی
(خانقاہ بلخیہ، فتوحہ)

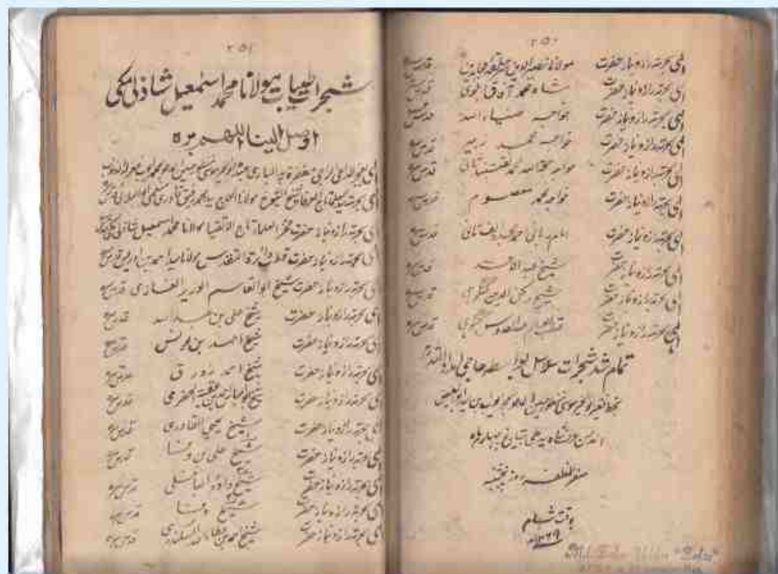


سید شاہ ایوب ابدالی کی تحریر کا عکس



سید شاہ ایوب ابدالی کی تحریر کا عکس

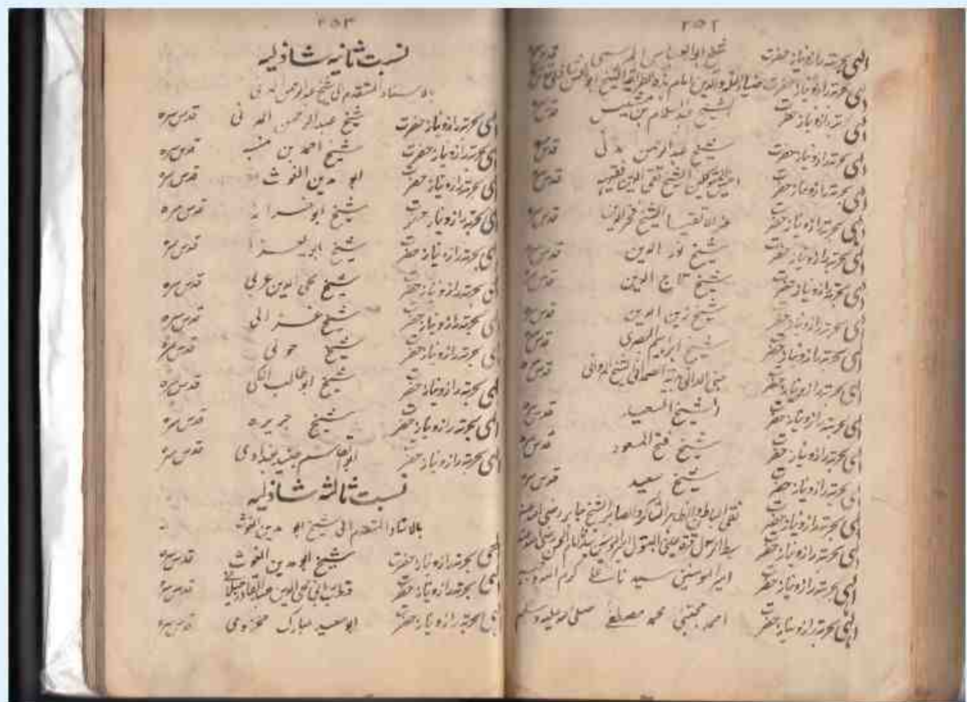
سید شاہ ایوب ابدالی کی کتاب سلاسل والاسانید کا قلمی نسخہ بخط مصنف



شجرۃ الطیبات مولانا محمد اسمٰعیل شاذلی مکی

اوصل الینا اللّٰہم مرہ

تمام شد شجرات سلاسل



نسبت ثانیہ شاذلیہ

نسبت ثالثہ شاذلیہ

سید شاہ ایوب ابدالی کی خطوط نویسی کا دو حسین عکس





AL-RAZA International (Bimonthly)

Ahmad Publications Pvt. Ltd., Hira Complex, Qutubuddin Lane,
Near Dariyapur Masjid, Sabzibagh, Patna, Bihar (India) 800004

القلم فاؤنڈیشن کی دو فخریہ پیشکش

سہ ماہی ''رضا بک ریویو'' کا **حجۃ الاسلام نمبر**

اور عالمی سطح پر مقبول رسالہ ''الرضا انٹرنیشنل'' کے

چند فکر انگیز اداریوں کا مجموعہ **''تنقید بر محل''**





حاصل کرنے کے لیے آج ہی رابطہ کریں:

AL-QALAM FOUNDATION

Sultanganj, Patna - 800006, Mob. 9835423434
Web. www.alqalam.in, E-mail: amjadrazaamjad@gmail.com

Printed at: Ahmad Graphics, Patna #8521889323